آہ کی تاثیر اور فغاں کی توقیر کا دبستان

کلام میر تقی میر

میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

دیکھ تو دِل کہ جاں سے اُٹھتا ہے
یہ دُھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے

www.pdfbooksfree.blogspot.com

ترتیب: سنبل سرفراز

ہجر و فراق، آہ و نالہ اور درد و الم کا نوشتہ ہر زماں

کلام

میر تقی میرؔ

www.pdfbooksfree.blogspot.com

☆

دریافت و انتخاب: سنبل سرفراز

☆

مکتبہ الفتوح
کمرہ نمبر 30- تیسری منزل، عزیز مارکیٹ، اُردو بازار لاہور
فون: 0333-4304938

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

ناشر: حافظ محمد علی ارسلان۔ ہاشم نعمان ہنی
پرنٹرز: چوہدری طاہر حمید پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ و ٹائٹل: خرم سرفراز (0333-4304938)
قیمت: 36--00 روپے

سٹاکسٹ:

روبی پبلی کیشنز
دوسری منزل، راجپوت مارکیٹ، اردو بازار لاہور
Ph: 0303-6416808

کلامِ میر تقی میرؔ

حمد --- دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا 13
نعت --- ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسنِ قبول کا 14
نعت --- رحمۃ للعالمینی یا رسول ﷺ 15
منقبت --- جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا 18
منقبت --- ہادی علیؑ، رفیق علیؑ، رہ نما علیؑ 19
مرثیہ --- فردا حسین می شود از دہر نا امید 21

غزلیات

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا 29
الٹی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا 29
چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا 31

دیکھے گا جو تجھ رو کو سو حیران رہے گا 32
جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا 33
منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا 34
سحر گہِ عید میں دورِ سبو تھا 36
ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا 36
یکساں نہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا 37
ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا 37
میر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا 38
کئی دن سلوک وداع کا، مرے درپئے دلِ زار تھا 40
مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا 40
گرمی سے میں تو آتشِ غم کی پگھل گیا 41
تا بمقدور انتظار کیا 42
آہ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا 42
وہ جو پی کر شراب نکلے گا 44
تجاہل تغافل تساہل کیا 45
سینہ کوبی ہے طپش سے غم ہوا 45

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ، یہ دل ہے کیا 46
ہو بلبلِ گلگشت کہ اک دن ہے خزاں کا 47
کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھی کیا کام کیا 47
عشق ہمارے خیال پڑا ہے، خواب گیا آرام گیا 48
جو اس شور سے میر روتا رہے گا 49
بارہا گور دل جھکا لایا 50
ہر دم طرف ہے ویسے مزاج کرخت کا 50
ہم عشق میں نہ جانا، غم ہی سدا رہے گا 51
بھلا ہو گا کچھ اِک احوال اس سے یا برا ہو گا 52
یاں نام یار کس کا وردِ زباں نہ پایا 53
جو یہ دل ہے تو کیا سرانجام ہو گا 54
نہ پوچھ خوابِ زلیخا نے کیا خیال لیا 55
نقاش دیکھ تو میں کیا نقشِ یار کھینچا 55
غمزے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا 56
ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا 57
اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا 58

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا 59
موا میں سجدہ میں پر نقش میرا یار رہا 59
دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا 61
آگے جمالِ یار کے معذور ہو گیا 61
عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا 62
اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا 63
بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا 64
دل فرطِ اضطراب سے سیماب سا ہوا 65
گل کو محبوب ہم قیاس کیا 67
کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو 67
قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر 68
غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر 69
قصد گر امتحان ہے پیارے 70
جس جگہ دور جام ہوتا ہے 71
تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے 71
چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجئے 72

گئے جی سے چھوٹے بتوں کی جفا سے 73
کبکوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھٹک گئے 74
زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھئے 75
آنکھیں لڑا لڑا کب تک لگا رکھیں گے 76
اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے 77
حرم کو جائیے یا دیر میں بسر کریے 78
جب تک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے 79
ششِ جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے 79
مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے 80
تاچند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے 81
میری پرسش پہ تری طبع اگر آوے گی 81
کیا کروں شرح خستہ جانی کی 82
ہے یہ بازارِ جنوں منڈی ہے دیوانوں کی 83
آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جا نہ تھی 84
تیری گلی سے جب ہم عزمِ سفر کریں گے 84
چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی 85

www.pdfbooksfree.blogspot.com

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی 86
دل کو تسکین نہیں اشک دمادم سے بھی 87
تابِ دل صرفِ جدائی ہو چکی 87
اس وعدہ کی رات وہ آئی جو اس میں نہ لڑائی ہوئی 88
موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے 89
خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی 90
فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی 90
خرابی کچھ نہ پوچھو مملکتِ دل کی عمارت کی 91
میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھوئی 92
الم سے یاں تئیں میں عشقِ ناتوانی کی 93
لا علاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی 94
رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب 94
اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر آب روز و شب 95
کس کی مسجد، کیسے بتخانے، کہاں کے شیخ و شاب 96
روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات 98
سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جاناں سمیت 98

کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات 99
ہر صبحدم کروں ہوں الحاح یا انابت 100
پلکوں پہ تھے پارہ جگر رات 100
جیتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت 102
ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات 103
نہ پایا دل ہوا روزِ سیہ سے جس کا جالٹ پٹ 103
آئے ہیں میر منہ کو بنائے جفا سے آج 104
کاش اٹھیں ہم بھی گنہ گاروں کے بیچ 104
فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے بیچ 105
کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ 106
ساتھ ہو اک بیکسی کا عالمِ ہستی کے بیچ 107
ہونے لگا گدازِ غمِ یار بے طرح 108
کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی بانکی طرح 109
آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد 110
ہم گرفتار حال ہیں اپنے 110
میرے سنگِ مزار پر فرہاد 111

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد 113
غیروں سے وے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر 113
نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر 114
دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار 115
یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر 116
آشوب دیکھ چشم تری سر رہے ہیں جوڑ 117
ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا وا ہنوز 118
ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز 119
اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس 120
کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس 120
ہر جزر و مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش 121
ہم اور تیری گلی سے سفر دروغ دروغ 122
ہے آگ کا سا نالہ کاہش فزا کا رنگ 123
رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ 124
عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم 124
بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں 125

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں 126
لب ترے لعلِ ناب ہیں دونوں 127
ہے غزل میر یہ شفائی کی 128
کچھ کرو فکر مجھ دِوانے کی 128
چلتے ہو تو چمن کو چلیے، کہتے ہیں کہ بہاراں ہے 129
دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے 130
برنگِ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے 131
ہستی اپنی حباب کی سی ہے 132
اب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے 133
دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہئے 133
جب نام ترا لیجے، تب چشم بھر آوے 134
اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے 135
ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے 136
ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے 137
عمر بھر ہم رہے شرابی سے 138
کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے 138

فقیرانہ آئے صدا کر چلے	140
گلگشت کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے	141
چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے	143
ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے	144
شمع صفت جب کبھو مر جائیں گے	144
قیامت ہیں یہ چسپاں جاے والے	144
بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے	145
دن دوری چمن میں جو ہم شام کریں گے	146

مثنویات

جھوٹ	147
گھر کا حال	149
برسات کی شدت	155
خواب و خیال	160

☆......☆......☆

حمد

دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
اودھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہِ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں انہوں کے حال وقال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اُس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر اگر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

□□□

نعت

ہے حرفِ خامہ دل زدہ حسنِ قبول کا
یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسولؐ کا

رہ پیروی میں اُس کی کہ گامِ نخست میں
ظاہر اثر ہے مقصدِ دل کے وصول کا

وہ مقتدائے خلقِ جہاں اب نہیں ہوا
پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا

سرمہ کیا ہے وضع پہ چشمِ اہلِ قدس
احمدؐ کی رہ گزار کی خاک اور دھول کا

ہے متحد نبیؐ و علیؓ وصی کی ذات
یاں حرف معتبر نہیں ہر بوالفضول کا

دھو منہ ہزار پانی سے سو بار پڑھ درود
تب نام لے تو اس چمنستاں کے پھول کا

حاصل ہے میرؔ دوستیِ اہلِ بیتؑ اگر
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا

* * *

نعت سرورِ کائنات ﷺ

جرم کی ہو شرم گینی یا رسولؐ
اور خاطر کی حزینی یا رسولؐ
کھینچوں ہوں نقصان دینی یا رسولؐ
تیری رحمت ہے یقینی یا رسولؐ
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ   ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

لطف تیرا عام ہے کر مرحمت
ہے کرم سے تیرے چشم مکرمت
مجرم عاجز ہوں کر ٹک تقویت
تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ   ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا
بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا
رحم کر، خاک مذلت سے اٹھا
میرے عفو جرم کی تخصیص کیا
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ   ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

اب ٹھہرتا ٹک نہیں پائے ثبات
دست گیری کر کہ پاؤں میں نجات
جرم کیا ہیں، میری کتنی مشکلات
ہے کفایت ایک تیری التفات
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

ابر زیر سایہ، لطف عمیم
خلق سب وابستہ خلقِ عظیم
تجھ سے جویائے کرم عاصم اثیم
سخت حاجت مند ہیں ہم، تو کریم
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

نیک و بد تیرے ثنا خوان ہم
لطف تیرا آرزو بخش امم
ملتفت ہو تو، تو کاہے کا ہے غم
تو رحیم اور مستحقِ رحم ہم
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

روؤں ہوں شرمِ گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوبِ کار
دل کو جب ہوتا ہے آ کر اضطرار
زیرِ لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

سبز برپا ہوگا جب تیرا نشاں
آفتاب حشر میں بہر اماں
ہووے گی انواع خلقت جمع واں
کیوں نہ ہو سائے میں اُس کے دو جہاں
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

روسیاہی جرم سے ہے لیش تر
رو سفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں ہیں میری بھی اُدھر
تجھ سے راجی بے بصر اہل نظر
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں
کہ قرآں خواں تو میر تھے کہ سمجھ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں
اب یہی ہے ہر زماں وردِ زباں
رحمتہ للعالمینی یا رسولؐ ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

* * *

منقبت

جو معتقد نہیں ہے علیؑ کے کمال کا
ہر بال اُس کے تن پہ ہے موجب وبال کا
رکھنا قدم پہ اُس کے قدم کب ملک سے ہو
مخلوق آدمی نہ ہوا ایسی چال ک
توڑا بتوں کو دوشِ نبیؐ پر قدم کو رکھ
چھوڑا نہ نام کعبہ میں کفر و ضلال ک
راہِ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تئیں
یہ جود منہ تو دیکھو کسو آشنال کا
نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی وہاں درست
رونا مجھے ہے حشر میں اُس کی ہی چال

فکرِ نجات میرؔ کو کیا، مدح خوان ہے وہ
اولاد کا علیؑ کی، محمدؐ کی آل کا

□□□

منقبت

ہادی علیؑ، رفیق علیؑ، رہ نما علیؑ
یاور علیؑ، محمدؐ علیؑ، آشنا علیؑ
مرشد علیؑ، کفیل علیؑ، پیشوا علیؑ
مقصد علیؑ، مراد علیؑ، مدعا علیؑ
جو کچھ کہو سو اپنے تو ہاں مرتضیٰ علیؑ

نورِ یقیں علیؑ سے ہمیں اقتباس ہے
ایمان کی، علیؑ کی ولا پر اساس ہے
یوم التناد میں بھی علیؑ ہی کی آس ہے
بے گاہ و گاہ نادِ علیؑ اپنے پاس ہے
قبلہ علیؑ، امام علیؑ، مقتدا علیؑ

نے شہ سے کچھ غرض ہے ہمیں نے وزیر سے
نے اعتقادِ شیخ سے، نے کچھ فقیر سے
کھتے نہیں ہیں کام صغیر و کبیر سے
ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے
مولا علیؑ، وکیل علیؑ، پادشا علیؑ

شیوہ اگرچہ اپنا نہ یہ وعظ و پند ہے
پر اس کو سن رکھا ہے کہ تو کچھ دردمند ہے
کیا ہے جو عرصہ تنگ ہوا، کام بند ہے
دل جمع کر کہ ہمت مولیٰ بلند ہے
یعنی کرم شعار ہے، مشکل کشا علیؑ

اپنی بساط تو ہے علیؑ، ہے وہی علیم
کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جو وہ کریم
دیکھیں ہیں اس کی اور جو ہم ہوتے ہیں سقیم
یاں کا وہی ہے شافی و کافی، وہی حکیم
عارض ہو کوئی درد ہمیں ہے دوا علیؑ

خواہش مدد کی غیر سے، ہے یہ خیالِ خام
کرتا ہے کب قبول اسے، عاقلِ تمام
کافی ہے دو جہان میں مولیٰ کا میرے نام
لاریب اس پہ آتشِ دوزخ ہوئی حرام
یک بار بھی زبان سے جن نے کہا علیؑ

دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار
مرکب کہاں ہے اس کے سے ویسے کہاں سوار
گزرے ہیں گرچہ مردم خوب آگے بھی ہزار
پر یہ شرف خدا کی طرف سے ہے یہ وقار
خلقت تو دیکھ کعبے میں پیدا ہوا علیؑ

ہر فرد کی زباں پر علیؑ کی ہے گفت گو
ہر شخص کے تئیں ہے علیؑ ہی کی جستجو
عالم کو ہے علیؑ کی تولا سے آرزو
اپنا ہی کچھ علیؑ کی طرف کو نہیں ہے رو
مقصود خلق و مطلب ارض و سما علیؑ

اک شوق ہے علیؑ کا مرے قلب میں نہاں
شاید یہی نجات کا باعث بھی ہو وہاں
اب زیرِ لب ہے زیست میں جو میر ہر زباں
اس وقت میں کہ جان ہو یکدم کی میہماں
امید ہے کہ یوں ہی لبوں پر ہو یا علیؑ

* * *

مرثیہ

بھائی، بھتیجے، خویش و پسر یاور اور یار
جاویں گے مارے آنکھوں کے آگے سب ایک بار
ناچار اپنے مرنے کا ہوگا امیدوار
ہے آج رات اور یہ مہمانِ روزگار
فردا حسینؑ می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

یک دم کو تیری ہستی میں ہو جائے گا غضب
سادات مارے جائیں گے دریا پہ تشنہ لب
برسوں فلک کے رونے کا پھر ہے یہی سبب
مت آ، عدم سے عالمِ ہستی میں زینہار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
ماریں گے تیر شام کے نامرد سارے لوگ
دیویں گے ساتھ اس کا جنہوں نے لیا ہے جوگ
تا حشر خلق پہنے رہیں گے لباسِ سوگ
ہوگا جہاں جوانِ سیہ پوش سوگوار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
اکبر مرے گا، جان سے قاسم بھی جائے گا
عباس دل جہان سے اپنا اٹھائے گا
اصغر بغل میں باپ کی اک تیر کھائے گا
شائستہ ایسے تیر کا وہ طفلِ شیر خوار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
اے کاش کوئی روز شب تیغ اب رہے
تا اور بھی جہاں میں وہ عالی نسب رہے

لیکن عزیز جس کے مریں سب وہ کب رہے
بے چارہٗ سینہ خستہ و بے یار و بے دیار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
ذاتِ مقدس ابنِ علیؑ کی ہے مغتنم
اک دم میں اس کے ہوویں الٰہی ہزار دم
کیا شب رہے تو ہووے ہے ایام ہی میں کم
آتا ہے کون عالمِ خاکی میں بار بار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
کاکل میں تیرے فتنے ہیں ہر اک شکن کے ساتھ
ہنگامہ لگ رہا ہے ترے دم زدن کے ساتھ
رہ کوئی دن عدم ہی میں رنج و محن کے ساتھ
یہ بات دونوں صمع میں رکھتی ہیں اشتہار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
جلوے میں تیرے سینکڑوں جلووں کی ہے فنا
یعنی سحر پر آنا قیامت کا ہے رہا
دن ہو گیا کہ سبطِ نبیؐ مرنے کو چلا
ساتھ اپنے دے چکا ہے تلف ہونے کا قرار

فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
آبِ فرات پرتوِ شب دن نہ ہو کبھی
خوں ریز ورنہ ہونے لگے گا بہم ابھی
سید تڑپ کے پیاس سے مر جائیں گے سبھی
پیغمبرؐ خدا ہی کا پروردۂ کنار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
دن شب کو کس امید کے اوپر کرے بھلا
جو جانتا ہو یہ کہ ستم ہو گا برملا
نکلے گی تیغِ جور کٹے گا مِرا گلا
اے وائے دل میں اپنے لیے حسرتیں ہزار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
ایسا نہ ہو کہیں کہ نکل آوے آفتاب
وہ جو غیور مرنے میں اپنے کرے شتاب
دے بیٹھے سر کو معرکے میں کھا کے پیچ وتاب
تر خوں میں دونوں گیسو ہوں سر پر پڑے غبار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

جس دم خطِ شعاعی ہوے رونقِ زمیں
انگار ہو کے نیزۂ خطی سے وہ حسیں
ہوویں گے جمع پیادے سوار آن کر وہیں
ہو گا جدا وہ گھوڑے سے مجروح بے شمار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
لوہو جبیں کے زخم سے جاوے گا گر کے جوش
خرقِ مبارک اُس کے میں مطلق نہ ہو گا ہوش
سجدے میں ہو رہے گا جھکا سر کے وہ خموش
آنے کا اپنے آپ میں کھینچے گا انتظار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
خورشید کی بلند نہ ہو تیغ خوں فشاں
ہے درمیاں نبیؐ کے نواسے کا پائے جاں
ایسا اگر ہوا تو قیامت ہوئی عیاں
وہ حلقِ تشنہ ہو گا تہِ تیغ آب دار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید
روشن ہوا جو روز تو اندھیر ہے نداں
میداں میں صاف ہوئے کھڑا دے چکے گا جاں

ناموس کی پھر اس کے نہ عزت ہے کچھ نہ شان
اک شش جہت سے ہوگی بلا آن کر دوچار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

پھر بعد قتل اس کے غضب ایک ہے یہ اور
بختیِ چرخ راہ چلے گا انہوں کے طور
شیوہ جفا، شعار ستم، طرز جن کی جور
عابد کے دست بستہ میں دی جائے گی مہار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

مردانِ اہلِ بیت جو ہوں گے، مریں گے سب
اس کے اثاث بیت کو، غارت کریں گے سب
ناموس کے جو لوگ ہیں، سو دکھ سہیں گے سب
ان قیدیوں کے لوہو میں ہووے گی رہ گزار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

خورشید سا سر اس کا سناں پر چڑھائیں گے
عالم میں دن وہی ہے، سیہ کر دکھائیں گے
بیٹے تئیں سوار پیادہ چلائیں گے
ہوگا عنانِ دل پہ نہ کچھ اس کا اختیار

فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

پیکر میں ایک کشتہ کے ہوگی نہ نیم جان
خیل و حشم کا اس کے نہ پاویں گے کچھ نشاں
شوکت کہاں، سر اُس کا کہاں، جاہ وہ کہاں
یہ جائے اعتبار ہے، کیا یاں کا اعتبار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

صاحب موئے، اسیر ہوئے، شام جائیں گے
سو کر جھکائے شرم سے ہر گام جائیں گے
ناچار رنج کھینچتے ناکام جائیں گے
لطفِ خدائے عز و جل کے امیدوار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

لازم ہے خوں چکاں روشِ گفتگو سے شرم
کر اس نمود کرنے کی ٹک آرزو سے شرم
تجھ کو مگر نہیں ہے محمدؐ کے رو سے شرم
بے خانماں و بے دل و بے خویش و بے تبار
فردا حسین می شود از دہرِ ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

راہِ رضا میں عاقبت کار سر گیا
ایسی گھڑی چلا کہ مدینے نہ پھر گیا
جوں آفتاب جانبِ شام آ کے گھر گیا
خاطر شکستہ، غم زدہ، آزردہ، دل نگار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ روی شوی سفید

آثار دکھ کے ہیں در و دیوار سے عیاں
چھایا ہے غم زمیں سے لے تا بہ آسماں
کچھ میر ہی کے چہرے پہ آنسو نہیں رواں
آیا ہے ابر شام سے، روتا ہے زار زار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبحِ دل سیہ بہ چہ رومی شوی سفید

□□□

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُن نے، مروت کو کیا ہوا

اُمیدوارِ وعدہَ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

کب تک تظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں
کچھ پیش آیا واقعہ، رحمت کو کیا ہوا

اس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہم نشیں
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا

بخشش نے مجھ کو ابرِ کرم کی، کیا خجل
اے چشم جوشِ اشکِ ندامت کو کیا ہوا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتہ، ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی صعبِ عاشقی کی بدایت ہی میر پر
کیا جانیے کہ حالِ نہایت کو کیا ہوا

□□□

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے، آخر کام تمام کیا
عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے، صبح ہوئی آرام کیا

حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی
ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا، سو مرنے کا پیغام کیا
ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا
سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا
سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا
کس کا کعبہ، کیسا قبلہ، کون حرم ہے، کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا
شیخ جو ہے مسجد میں ننگا، رات کو تھا میخانے میں
جُبہ، خرقہ، کرتا ٹوپی، مستی میں انعام کیا
کاش اب برقع منہ سے اٹھاوے ورنہ پھر کیا حاصل ہے
آنکھ مندے پر ان نے گو دیدار کو اپنے عام کیا
یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا، یا دن کو جوں توں شام کیا
صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیفِ ہوا لے آئی تھی
رُخ سے گل کو مول لیا، قامت سے سرو غلام کیا
ساعدِ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیالِ خام کیا

کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماجت سے
استغنا کی چوگنی اُن نے، جوں جوں میں ابرام کیا
ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا
میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو، ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

□□□

چمن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا
جمالِ یار نے منھ اس کا خوب لال کیا
فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر
برنگِ سبزہ نورستہ پائمال کیا
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی
سو اُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا
مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف سے ہمدم
نہ کہہ کہ نیند میں ہے تو، یہ کیا خیال کیا
بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یمنِ قدم نے ترے نہال کیا
جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف
کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا

لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے
جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

□□□

دیکھے گا جو تجھ رو کو سو حیران رہے گا
وابستہ ترے مو کا پریشان رہے گا
وعدہ تو کیا اس سے دم صبح کا لیکن
اس دم تئیں مجھ میں بھی گر جان رہے گا
منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا
چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا ایک ہی جلاو
تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا
چمٹے رہیں گے دشتِ محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رہے گا
جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا
دل دینے کی ایسی حرکت اُن نے نہیں کی
جب تک جیے گا میر پشیمان رہے گا

□□□

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا
شرمندہ ترے رُخ سے ہے رخسار پری کا
چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا
ر زخمِ جگر داورِ محشر سے ہمارا
نصاف طلب ہے تری بیداد گری کا
اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو
آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا
مد موسمِ گل ہم کو تہِ بال ہی گزرے
قدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا
اس رنگ سے چمکے ہے پلک پر کہ کہے تو
ٹکڑا ۔ بڑا اشک عقیقِ جگری کا
ل میر کا ہم نے سمندر کو بھی جا کر
ا دست نگر پنجہ مژگاں کی تری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

□□□

منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

بحر کم ظرف ہے بسان حباب
کاسہ لیس اب ہوا ہے تو جس

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

تھے برے مغبچوں کے تیور لیک
شیخ میخانہ سے بھلا

داغ آنکھوں سے کھل رہے ہیں سب
ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا

بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب
کاسہ لیس اب ہوا ہے تو جس

فیض اے ابر چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا

تاب کس کو جو حالِ میر
حال ہی اور کچھ ہے مجلس

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دم کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب
خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ
اس میں مجنوں کا ولے ماتم رہا

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا
تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

زلفیں کھولے تو تو ٹک آیا نظر
عمر بھر یاں کام دل برہم رہا

اس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے
اپنے حق میں آبِ حیواں سم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میر
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

□□□

سحر گہِ عید میں دورِ سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا

غلط تھا آپ سے غافل گزرنا
نہ سمجھے ہم کو اس قالب میں تو تھا

گل و آئینہ کیا، خورشید ور کیا
جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رُو تھا

کرو گے یاد باتیں تو کہو گے
کہ کوئی رفتہء بسیار گو تھا

جہاں پُر ہے فسانے سے ہمارے
دماغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا

نہ دیکھا میرِ آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کوبکو تھا

□□□

ابتدائے عشق ہے، روتا ہے کیا   آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح سے اک شور ہے   یعنی غافل ہم چلے، سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں   تخمِ خواہش دل میں تُو بوتا ہے کیا
یہ نشانِ عشق ہیں، جاتے نہیں   داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا
غیرتِ یوسف ہے یہ وقت عزیز
میر اس کو رایگاں کھوتا ہے کیا

□□□

بکیسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غمخوار رکھتے تھے، سوگلشن میں رہا

پنجہ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو
گر نکالا میں گریباں سے تو دامن میں رہا

شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتہء الفت تمامی عمر گردن میں رہا

ڈر سے اس شمشیرزن کے جوہرِ آئینہ ساں
سر سے لیکر پاؤں تک میں غرق آہن میں رہا

ہم نہ کہتے تھے کہ مت دَیر وحرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

در پئے دل ہی رہے اس چہرہ کے خالِ سیاہ
ڈر ہمیں ان چوٹوں کا تو روزِ روشن میں رہا

آہ، کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میر
جی ہر اک نخچیر کا اُس صَید افگن میں رہا

□□□

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

قسم جو کھایئے تو طالعِ زلیخا کی
عزیزِ مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے
نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

وہ کج روِش نہ مِلا راستے میں مجھ سے کبھی
نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا

مزا دکھا دیں گے بے رحمی کا تری صیاد
گر اضطرابِ آسیری نے زیرِ دام لیا

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

* * *

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا

سب کھلا باغِ جہاں الاّ یہ حیران و خفا
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا

بوئے خوں سے جی رکا جاتا ہے اے بادِ بہار
ہو گیا ہے چاک دل شاید کسو دلگیر کا

کیونکہ نقاشِ ازل نے نقشِ ابرو کا کیا
کام ہے اک تیرے منہ پر کھینچنا شمشیر کا

رہ گزرِ سیلِ حوادث کا ہے بے بنیادِ دہر
اس خرابے میں نہ کرنا قصد تم تعمیر کا

بس طبیب اُٹھ جا مرِی بالیں سے مت دے دردِ سر
کامِ جاں آخر ہوا' اب فائدہ تدبیر کا

نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم
قد خم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا

جو ترے کوچہ میں آیا' پھر وہیں گاڑا اسے
تشنہء خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا

خون سے میرے ہوئی یکدم خوشی تم کو تو لیک
مفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا

لختِ دل سے جوں چھڑی پھولوں کی گوندھی ہے ولے
فائدہ کچھ اے جگر اس آہِ بے تاثیر کا

گورِ مجنوں سے نجاویں گے کہیں ہم بے نوا
عیب ہے ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا

کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

* * *

کئی دن سلوک دواع کا مرے درپئے دلِ زار تھا
کبھو درد تھا، کبھو داغ تھا، کبھو زخم تھا، کبھو دار تھا

دمِ صبح بزمِ خوش جہاں، شبِ غم سے کم نہ تھے مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو دود تھا، جو پتنگ تھا سو غبار تھا

دلِ خستہ جو لہو ہو گیا، تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
کبھو سوز سینہ سے داغ تھا، کبھو درد و غم سے فگار تھا

دلِ مضطرب سے گزر گئے، شب وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا، تو ہمارے دل سے لہو بہا
کہ وہیں وہ ناوکِ بے خطا، کسو کے کلیجے کے پار تھا

یہ تمہاری ان دنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہے خوں چکاں
وہی آفتِ دلِ عاشقاں، کسو وقت ہم سے بھی یار تھا
نہیں تازہ دل کی شکستگی، یہی درد تھا یہی خستگی
اُسے جب سے ذوقِ شکار تھا اُسے زخم سے سروکار تھا
کبھو جائے گی جو ادھر صبا، تو یہ کہیو اُس سے کہ بیوفا
مگر ایک میرِ شکستہ پا ترِے باغ تازہ میں خار تھا

□□□

مہر کی تجھ سے توقع تھی ستمگر نکلا
موم سمجھے تھے ترِے دل کو سو پتھر نکلا

داغ ہوں رشکِ محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لئے گھر سے تو باہر نکلا

جیتے جی آہ ترِے کوچے سے کوئی نہ پھرا
جو ستم دیدہ رہا جا کے سو مر کر نکلا

دل کی بربادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

اشکِ تر، قطرہ خوں، لختِ جگر، پارہ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہہ کر نکلا
کنج کاوی جو کی سینے کی غمِ ہجراں نے
اس دفینے میں سے اقسامِ جواہر نکلا
ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میر
پر ترِا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

□□□

گرمی سے میں تو آتشِ غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
گرمیِ عشق مانعِ نشوونما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جَل گیا

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا
ساقی نشے میں تجھ سے لنڈھا شیشہء شراب
چل اب کہ دخترِ تاک کا جوبن تو ڈھل گیا
ہر ذرّہ خاک تیری گلی کی ہے بے قرار
یاں کون سا ستم زدہ ماٹی میں رَل گیا
عریاں تنی کی شوخی سے دیوانگی میں میر
مجنوں کے دشتِ خار کا داماں بھی چل گیا

□□□

تا بمقدور انتظار کیا دل نے پھر زور بے قرار کیا
ہم فقیروں سے بے ادائی کی آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
دشمنی ہم سے کی زمانے نے کہ جفا کار تجھ سا یار کیا
یہ توّاہم کا کارخانہ ہے یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
ایک ناوک نے اسکی مژگاں کے طائرِ سدرہ تک شکار کیا
صدرگِ جاں کوتاب دے باہم تیری زلفوں کا ایک تار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا

□□□

آہِ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا
اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا

سمجھی نہ بادِ صبح کہ آ کر اٹھا دیا
اس فتنہء زمانہ کو ناحق جگا دیا
پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج
بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا
اس موج خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ
پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا
تھی لاگ اُس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
سب شورِ ما و من کو لیے سر میں مر گئے
یاروں کو اس فسانے نے آخر سلا دیا
آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشتِ غبار لے کے صبا نے اڑا دیا
اجزا بدن کے جتنے تھے پانی ہو بہ گئے
آخر گدازِ عشق نے ہم کو بہا دیا
کیا کچھ نہ تھا ازل میں نہ طالع جو تھے درست
ہم کو دلِ شکستہ قضا نے دلا دیا
گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا
مدت رہے گی یاد ترِے چہرے کی جھلک
جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے بھلا دیا

ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا' سر جدا دیا
بُوئے کبابِ سوختہ آئی دماغ میں
شاید جگر بھی آتشِ غم نے جلا دیا
تکلیف دردِ دل کی عبث ہم نشیں نے لی
دردِ سخن نے میرے سبھوں کو رلا دیا
اُن نے تو تیغ کھینچی تھی پر جی چلا کے میر
ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا

* * *

وہ جو پی کر شراب نکلے گا   کس طرح آفتاب نکلے گا
محتسب میکدہ سے جاتا نہیں   یاں سے ہو کر خراب نکلے گا
یہی چپ ہے تو دردِ دل کہتے   منہ سے کیونکر جواب نکلے گا
جب اٹھے گا جہان سے یہ نقاب   تب ہی اس کا حجاب نکلے گا
عرق اس کا بھی مونہہ کا بو کیجو   گر کبھو یہ گلاب نکلے گا
آوَ بالیں تلک نہ ہو کے دیر   جی ہمارا شتاب نکلے گا
دفترِ داغ ہے جگر اس میں   کسو دن یہ حساب نکلے گا
تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے   جب مرا انتخاب نکلے گا
میرؔ دیکھو گے رنگ نرگس کا
اب جو وہ مست خواب نکلے گا

* * *

تجاہل تغافل تساہل کیا
ہوا کام مشکل توکل کیا
نہیں تاب لاتا دلِ زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
زمین غزل ملک سی ہو گئی
یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا
جنوں تھا نہ مجکو نہ چپ رہ سکا
کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غل کیا
نہ سوزِ دروں فصلِ گل میں چھپا
سرو سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اُس کے توسّل کیا
حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

* * *

سینہ کوبی ہے طپش سے غم ہوا
دل کے جانے کا بڑا ماتم ہوا

آنکھیں دوڑیں خلق جا اودھر گری
اٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا

کیا لکھوں رویا جو لکھتے جوں قلم
سب مرے نامے کا کاغذ نم ہوا

ہم جو اس بن خوار ہیں حد سے زیاد
یاریاں تک آن کر کیا کم ہوا

آ گیا یوں ہی خراماں وہ تو پھر
حشر کا ہنگامہ ہی برہم ہوا

درہمی سے برہمی سے دیکھ لو
دونوں عالم کا عجب عالم ہوا

جسمِ خاکی کا جہاں پردہ اُٹھا
ہم ہوئے وہ، میر وہ سب ہم ہوا

* * *

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ، یہ دل ہے کیا
ایسے ناداں دلربا کے ملنے کا حاصل ہے کیا
جاننا باطل کسو کو یہ قصورِ فہم ہے
حق اگر سمجھے تو سب کچھ حق ہے یاں باطل ہے کیا
مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آور ہے بلا
محتشم کو میر میں کیا جانوں اور مقبل ہے کیا

* * *

ہو بلبل گلگشت کہ اک دن ہے خزاں کا
اڑتا ہے ابھی رنگ گل باغ جہاں کا
ہے مجھ کو یقیں تجھ میں وفا ایسی جفا پر
گر چاک برابر ہوئے اس میرے گماں کا
سینے میں مرے آگ لگی میرے سخن سے
جوں شمع جلایا ہوا ہوں اپنی زباں کا
آرام عدم میں نہ تھا، ہستی میں نہیں چین
معلوم نہیں میر ارادہ ہے کہاں کا

* * *

کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا ناکام رہا، آخر کو کام تمام کیا
عجز کیا سو اس مفسد نے قدر ہماری یہ کچھ کی
تیوری چڑھائی غصہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی، ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بیتابی سے خط بھیجا، پیغام کیا
عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کاہیکو ایسی شہرت تھی
شہر میں اب رسوا ہیں یعنی بدنامی سے کام کیا

ریگستاں میں جا کے رہیں یا سنگستاں میں ہم جوگی
رات ہوئی جس جاگہ ہم کو، ہم نے وہیں بسرام کیا
خط و کتابت لکھنا اُس کو ترک کیا تھا اس لیے
حسرت سے ٹپکا لوہو اب جو کچھ ارقام کیا
اس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں کے
لوگوں میں لیکن پوچھ کہا یہ لطفِ بے ہنگام کیا
میر جو ان نے منہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف کیا، احسان کیا، انعام کیا، اکرام کیا

□□□

عشق ہمارے خیال پڑا ہے، خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے، صبح گیا یا شام گیا
عشق کیا سو دین گیا، ایمان گیا اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا، جس سے میں ناکام گیا
کس کس اپنی کل کو رووے ہجراں میں بیکل اسکا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے، چین گیا آرام گیا
آیا یاں سے جانا ہے تو جی کا چھپانا کیا حاصل
آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی کیا کیا کہئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے وہ عہد گیا، وہ موسم وہ ہنگام گیا

گالی، جھڑکی، خشم و خشونت یہ تو سرِ دست اکثر ہیں
لطف گیا، احسان گیا، انعام گیا، اکرام گیا
لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے
اب جو قرار کیا ہے دل سے، خط بھی گیا، پیغام گیا
نالۂ میر سواد میں ہم تک دوشیں شب سے نہیں آیا
شاید شہر سے ظالم کے، عاشق وہ بدنام گیا

□□□

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا
بس اے گریہ آنکھیں ترِے کیا نہیں ہیں
کہاں تک جہاں کو ڈبوتا رہے گا
مرِے دل نے وہ نالہ بپا کیا ہے
جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

بس اے میر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

□□□

بارہا گورِ دل جھنکا لایا   اب کے شرطِ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل   سارے عالم میں میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خوں نہیں ہے بیش   ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی   اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لیجا کر   اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار   عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بُت کدے سے میر
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

□□□

ہر دم طرف ہے ویسے مزاجِ کرخت کا
ٹکڑا مِرا جگر ہے کہو سنگِ سخت کا
سبزانِ تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی
اب دیکھئے تو واں نہیں سایہ درخت کا
جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہو گیا
مذکور کیا ہے اب جگرِ لخت لخت کا

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں تاجِ و تخت کا
خاک سیہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر
سایہ پڑا ہے مجھ پر کسو تیرہ بخت کا

□□□

ہم عشق میں نہ جانا، غم ہی سدا رہے گا
دس دن جو ہے یہ مہلت سو یاں دہا رہے گا
برقع اٹھے پہ اس کے ہو گا جہان روشن
خورشید کا نکلنا کیونکر چھپا رہے گا
اک وہم سی رہی ہے اپنی نمود تن میں
آتے ہو اب تو آؤ پھر ہم میں کیا رہے گا
مذکور یار ہم سے مت ہمنشیں کیا کر
دل جو بجا نہیں ہے پھر اس میں جا رہے گا
دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری
بیمارِ عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا
اس گل بغیر جیسے ابرِ بہار عاشق
نالاں جدا رہے گا، روتا جدا رہے گا
دانستہ ہے تغافل، غم کہنا اس سے حاصل
تم دردِ دل کہو گے وہ سر جھکا رہے گا

اب جھمکی اُس کی تم نے دیکھی کبھو جو یار
برسوں تلک اسی میں پھر دل سدا رہے گا

□□□

بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہو گا
مآل اپنا ترِے غم میں خدا جانے کہ کیا ہو گا
تفحص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہو گا
وہی پاوے گا میرا دردِ دل جس کا لگا ہو گا
کسو کو شوق یارب بیش اس سے اور کیا ہو گا
قلم ہاتھ آ گئی ہو گی تو سو سو خط لکھا ہو گا
دکانیں حسن کی آگے ترِے تختہ ہوئی ہوں گی
جو تو بازار میں ہوگا تو یوسف کب بکا ہو گا
معیشت ہم فقیروں کی سی اخوانِ زماں سے کر
کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھائی بھلا ہو گا
خیال اس بیوفا کا ہمنشیں اتنا نہیں اچھا
گماں رکھتے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہو گا
قیامت کر کے اب تعبیر جس کو کرتی ہے خلقت
وہ اس کوچہ میں ایک آشوب سا شاید ہوا ہو گا
عجب کیا ہے ہلاکِ عشق ہیں فرہاد و مجنوں کے
محبت روگ ہے کوئی کہ کم اس سے جیا ہو گا

نہ ہو یوں غیرت گلزار وہ کوچہ خدا جانے
لہو اس خاک پر کن کن عزیزوں کا گرا ہو گا
بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری رہا ہوں میں
کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سنا ہو گا
نہیں جز عرش جاگہ راہ میں لینے کو دم اس کے
قفس سے تن کے مرغِ روح میرا جب رہا ہو گا
کہیں ہیں میرؔ کو مارا گیا شب اُس کے کوچے میں
کہیں وحشت میں شاید بیٹھے بیٹھے اٹھ گیا ہو گا

□□□

یاں نام یار کس کا وردِ زباں نہ پایا
پر مطلقاً کہیں ہم اُس کا نشاں نہ پایا
وضعِ کشیدہ اس کی رکھتی ہے داغ سب کو
نیوتا کسو سے ہم وہ ابرو کماں نہ پایا
پایا نہ یوں کہ کریے اُس کی طرف اشارت
یوں تو جہاں میں ہم نے اُس کو کہاں نہ پایا
یہ دل کہ خونِ ہووے برجا نہ تھا وگرنہ
وہ کونسی جگہ تھی اس کو جہاں نہ پایا
فتنے کی گرچہ باعث آفاق میں وہی تھی
لیکن کمر کو اس کی ہم درمیاں نہ پایا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں
جوشِ جباہ سے ہم وہ آستاں نہ
ایسی ہے میر کی بھی مدت سے رونی صورت
چہرے پہ اس کے کس دن آنسو رواں نہ پایا

□□□

جو یہ دل ہے تو کیا سرانجام ہوگا
تہِ خاک بھی خاک آرام ہوگا
مرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ
کہ دیدار بھی ایک دن عام
نہ ہوگا وہ دیکھا جسے لیک تو نے
وہ اک باغ کا سرو اندام ہوگا
نہ نکلا کر اتنا بھی بے پردہ گھر
بہت اس میں ظالم تو بدنام
ہزاروں کی یاں لگ گئیں چھت سے آنکھیں
تو اے ماہ کس شب لبِ بام ہوگا
جگر چاکی، ناکامئ دنیا ہے آ
نہیں آئے جو میرؔ کچھ کام

□□□

نہ پوچھ خوابِ زلیخا نے کیا خیال لیا
کہ کاروان کا کنعاں کے جی نکال لیا
رہِ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
رہوں ہوں برسوں سے ہمدوش پر کبھو ان نے
گلے میں ہاتھ مرا پیار سے نہ ڈال لیا
بتاں کی میر ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال نے

□□□

نقاش دیکھ تو میں کیا نقشِ یار کھینچا
اس شوخ کم نما کا نِت انتظار کھینچا
رسمِ قلمرو عشق مت پوچھ کچھ کہ ناحق
ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا
تھا بد شراب ساقی تنا کہ رات مے سے
میں نے جو ہاتھ کھینچا اُن نے کٹار کھینچا
مستی میں شکل ساری نقاش سے کھنچی پر
آنکھوں کو دیکھ اُس کی آخر خمار کھینچا
جی کھنچ رہے ہیں اودھر عالم کا ہوگا بلوا
گر شانے تو نے اُس کی زلفوں کا تار کھینچا

تھے شب کسے کسائے تیغ کشیدہ کف میں
پر میں نے بھی بغل میں بے اختیار کھینچا
پھرتا ہے میر تو جو پھاڑے ہوئے گریباں
کس کس ستم زدے نے دامانِ یار کھینچا

* * *

غمزے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا
اُس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا
رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم
ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا
نافع جو تھیں مزاج کو اوّل سو عشق میں
آخر انہیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا
کیا جانوں بزمِ عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ
میں صحبتِ شراب سے آگے سفر کیا
جس دم کہ تیغِ عشق کھنچی بوالہوس کہاں
سن لیجو کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا
دل زخمی ہو کے تجھ تئیں پہنچا تو کم نہیں
اس نیم کشتہ نے بھی قیامت جگر کیا
ہے کون آپ میں جو ملے تجھ سے مستِ ناز
ذوقِ خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا

وہ دشتِ خوفناک رہا ہے مرا وطن
سن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا
کچھ کم نہیں ہیں شعبدہ بازوں سے مے گسار
دارو پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا
چاروں طرف ہیں خیمے کھڑے گردباد کے
کیا جانئے جنوں نے ارادہ کدھر کیا
لکنت تری زبان کی ہے سحر جس سے شوخ
اک حرفِ نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا
بے شرم محض ہے وہ گنہگار جن نے میر
ابرِ کرم کے سامنے دامانِ تر کیا

* * *

ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا
سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا
یک نگہ سے بیش کچھ نقصاں نہ آیا اُس کے تئیں
اور میں بیچارہ تو اے مہرباں مارا گیا
وصل و ہجراں سی جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیارِ عشق میں اے بوالہوس
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا

کب نیازِ عشقِ نازِ حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میر سر بر آستاں مارا گیا

□□□

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا
لہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن
جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

صبر تھا ایک مونسِ ہجراں
سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش
گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم
پر سخن تا بلب نہیں آتا

دور بیٹھا غبارِ میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

□□□

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا

اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش
سخن رہے گا سدا میری کم زبانی کا

سبک ہے آوے جو مندیل رکھ نماز کو شیخ
رہا ہے کون سا اب وقت سرگرانی کا

ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں
خیال بھی کبھو گزرا نہ پرفشانی کا

پھرے ہے کھینچے ہی تلوار مجھ پہ تو ہر دم
کہ صید ہوں میں ترِی دشمنیِ جانی کا

نمود کر کے وہیں بحرِ غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میرؔ بھی اک بلبلا تھا پانی کا

□□□

موا میں سجدہ میں پر نقش میرا یار رہا
اس پہ مری خاک سے غبار رہا

جنوں میں اکی مجھے اپنے دل کا غم ہے پہ حیف
خبر لی جبکہ نہ جامے میں ایک تار رہا

بشر ہے وہ پہ کھلا جب سے اس کا دامِ زلف
سر رہ اس کی فرشتے ہی کا شکار رہا

کبھو نہ آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کی طرح
تمام عمر ہمیں اس کا انتظار رہا
شرابِ عیش میسر ہوئی جسے اک شب
پھر اس کو روزِ قیامت تلک خمار رہا
بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا
وہ دل کہ شام و سحر جیسے پکا پھوڑا تھا
وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا
تمام عمر گئی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں
وہ دردناک علی الرغم بیقرار رہا
ستم میں غم میں سرانجام اس کا کیا کہیے
ہزاروں حسرتیں تھیں تس پہ جی کو مار دیا
بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ بہ نکلا
رہا جو سینہء سوزاں میں داغ دار رہا
سو اس کو ہم سے فراموشِ کار یوں لیگے
کہ اس سے قطرۂ خوں بھی نہ یادگار رہا
گلی میں اِس کی گیا' سو گیا' نہ بولا پھر
میں میر میر کر اُس کو بہت پکار رہا

* * *

دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا
دل میں رہ دل میں کہ معمارِ قضا سے ابتک
ایسا مطبوع مکاں کوئی بنایا نہ گیا
کبھو عاشق کے ترے جبہے سے ناخن کا خراش
خطِ تقدیر کے مانند مٹایا نہ گیا
کیا تنک حوصلہ تھی دیدہ دل اپنی آہ
ایک دم راز محبت کا چھپایا نہ گیا
دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا
اس ستم کشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا
میں تو تھا صیدِ زبوں صید گہِ عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

* * *

آگے جمالِ یار کے معذور ہو گیا
گل اک چمن میں دیدۂ بے نور ہو گیا
یک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
جوں زخم تیری دوری میں ناسور ہو گیا

قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہر آئی تب
دروازہ شیرہ خانے کا معمور ہو گیا
پہنچا قریب مرگ کے وہ صیدِ ناقبول
جو تیرے صید گاہ سے ٹک دور ہو گیا
دیکھا یہ ناؤ و نوش کہ نیش فراق سے
سینہ تمام خانہء زنبور ہو گیا
اُس ماہِ چاردہ کا چھپے عشق کیونکہ آہ
اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا
شاید کسو کے دل کو لگی اُس گلی میں چوٹ
میری بغل میں شیشہء دل چور ہو گیا
دیکھا جو میں نے یار تو وہ میرؔ ہی نہیں
تیرے غمِ فراق میں رنجور ہو گیا

□□□

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
غیروں ہی کے ہاتھوں میں رہے دستِ نگاریں
کب ہم نے ترِے ہاتھ سے آزار نہ پایا
حق ڈھونڈنے کا آپ کو آتا نہیں ورنہ
عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا

جاتی ہے نظر جس پہ گہِ چشمِ پریدن
یاں ہم نے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا
تصویر کے مانند لگے در ہی سے گزری
مجلس میں ترِی ہم نے کبھو بار نہ پایا
سوراخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے تجھ سے
کس دل کے ترا تیرِ نگہ پار نہ پایا
مربوط ہیں تجھ سے بھی یہی ناکس و نااہل
اس باغ میں ہم نے گلِ بے خار نہ پایا
دم بعد جنوں مجھ میں نہ محسوس تھا یعنی
جامہ میں مرِے یاروں نے اک تار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت کی ہوئے ہم
پر سیر ہو اس شخص کا دیدار نہ پایا
وہ کھینچ کے شمشیرِ ستم رہ جو گیا میر
خوں ریزی کا یاں کوئی سزاوار نہ پایا

□□□

اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا
اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا
ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشمِ یار
سر سے ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا

ہم رہروانِ راہِ فنا ہیں برنگِ عمر
جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا
پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہیدِ ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیوانِ حشر میں اُسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
ہم بیخودانِ محفلِ تصویر اب گئے
آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا
گو بیستوں کو ٹال دے آگے سے کوہکن
سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا
یاد اُس کی اتنی خوب نہیں، میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

□□□

بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئی بھی بیمار عشق کا
خواہانِ مرگ میں ہی ہوا ہوں مگر نیا
جی بیچنے سے ہی ہے خریدار عشق کا

منصور نے جو سر کو کٹایا تو یہ ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزا وار عشق کا
جاتا وہی سنا ہمہ حسرت جہان سے
ہوتا ہے جس کسو سے بہت پیار عشق کا
پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بکا
اک عمر سے کساد ہے بازار عشق کا
لگ جاوے دل کہیں تو اسے جی میں اپنے رکھ
رکھتا نہیں شگون کچھ اظہار عشق کا
چھوٹا جو مر کے قیدِ عبارات میں پھنسا
القصہ کیا رہا ہو گرفتار عشق کا
مشکل ہے عمر کاٹی تلوار کے تلے
سر میں خیال گو کہ رکھیں یار عشق کا
واں رستموں کے دعویٰ کو دیکھا ہوئے ہیں قطع
پورا جہاں لگا ہے کوئی وار عشق کا
کھو ہی رہا نہ جان کو ناآزمودہ کار
ہوتا نہ میرؔ کاش طلبگار عشق کا

□□□

دل فرطِ اضطراب سے سیماب سا ہوا
چہرہ تمام زرد و زرتاب سا ہوا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہو گیا
کچھ آب دیدہ رات سے خوں ناب سا ہوا

وے دن گئے کہ اشک سے چھڑکاؤ سا کیا
اب رونے لگ گئے ہیں تو تالاب سا ہوا

اک دن کیا تھا یار نے قد ناز سے بلند
خجلت سے سرو جوئے چمن آب سا ہوا

کیا اور کوئی روئے کہ اب جوش اشک سے
حلقہ ہماری چشم کا گرداب سا ہوا

قصہ تو مختصر تھا ولے طول کو کھنچا
ایجاز دل کے شوق سے اطناب سا ہوا

عمامہ ہے موذنِ مسجد کہ بارِ خر
قد تو ترا خمیدہ ہو محراب سا ہوا

بات اب تو سن کہ جائے سخن حسن میں ہوئے
خط پشت لب کا سبزۂ محراب سا ہوا

اب باغ میں بھی سوتے سے اٹھ کر کبھو کہ گل
تک تک کے راہ دیدہ بے خواب سا ہوا

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی
جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

* * *

گل کو محبوب ہم قیاس کیا فرق نکلا بہت جو باس کیا
دل نے ہم کو مثال آئینہ ایک عالم کا روشناس کیا
کچھ نہیں سوجھتا ہمیں اُس بن شوق نے ہم کو بے حواس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے قیس کی آبرو کا پاس کیا
دور سے چرخ کے نکل نہ سکے ضعف نے ہم کو مور طاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی کیا پتنگے نے التماس کیا

ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں
میر کو تم عبث اُداس کیا

* * *

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
ایسا نہ رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہ ہو

پایا گیا وہ گوہرِ نایاب سہل کب
نکلا ہے اُس کو ڈھونڈنے تو پہلے جان کھو

سنتے نہیں کہے جو نہ کہیئے تو دم رُکے
کچھ پوچھئے نہ قصہ ہمارا ہے گو مگو

ہے شعرِ بے دماغی پہ مطلق نہ بولنا
ہم دیں تمہیں دعا ہمیں تم گالیاں تو دو

کرنا جگر ضرور ہے دل دادگاں کو بھی
وہ بولتا نہیں تو تم آپ ہی سے چھیڑ لو

اے غافلان زہر یہ کچھ پرواہ کی ہے بات
چلنے کو قافلے ہیں یہاں تم رہے ہو سو
گردش میں جو کوئی ہو رکھے اس سے کیا امید
دن رات آپ ہی چرخ میں ہے آسمان تو
جب دیکھتے ہیں پاؤں ہی دابو ہو اس کے میرؔ
کیوں ہوتے ہو ذلیل تم اتنا تو مت دبو

□□□

قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر
کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر
نہ دیکھا آخر اس آئینہ رو کو
نظر سے بھی نگاہِ واپسیں پر
گئے دن عجز و نالہ کے کہ اب ہے
دماغِ نالہ چرخِ ہفتمیں پر
ہوا ہے ہاتھ گلدستہ ہمارا
کہ داغِ خوں بہت ہے آستیں پر
خدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو
نظر اپنی نہیں ہے مہرو کیں پر
پرافشانی قفس ہی کی بہت ہے
کہ پروازِ چمن قابل نہیں پر

جگر میں اپنے باقی روتے روتے
اگرچہ کچھ نہیں اے ہمنشیں پر
کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو
تو پھر جاتا ہے پانیِ سب زمیں پر
قدم دشت محبت میں نہ رکھ میرؔ
کہ سر جاتا ہے گام اولیں پر

□□□

غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر
جاتے رہیں گے ہم بھی گریبان پھاڑ کر
دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کر
یا رب رہِ طلب میں کوئی کب تلک پھرے
تسکین دے کہ بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر
منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے
آئے ہیں آج دور سے ہم تجھ کو تاڑ کر
غالب کہ دیوے قوتِ دل اس ضعیف کو
تنکے کو جو دکھاوے ہے پل میں پہاڑ کر
نکلیں گے کام دل کے کچھ اب اہلِ ریش سے
کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اکھاڑ کر

اس فن کے پہلوانوں سے کشتی رہی ہے میر
بہتوں کو ہم نے زیر کیا ہے پچھاڑ کر

□□□

قصد گر امتحان ہے پیارے
اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرنے میں سر کٹیں ہیں جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے
کام میں قتل کے مرے تن دے
اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
شکلیں کیا کیا کیاں ہیں جن گی خاک
یہ وہی آسمان ہے پیارے
جا چکا دل تو یہ یقینی ہے
کیا اب اس کا بیان ہے پیارے
پر تبسم کے کرنے سے تیرے
کُنجِ لب پر گمان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

□□□

جس جگہ دور جام ہوتا ہے   واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے
ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون   کیسا خط و پیام ہوتا ہے
تیغ ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ   اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے
پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش   روز ان کا بھی شام ہوتا ہے
زخم بن، غم بن اور غصہ بن   اپنا کھانا حرام ہوتا ہے
شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان   جس پہ شب احتلام ہوتا ہے
میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

□□□

تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے
بے طاقتیِ دل کو بھی مقدور ہوا ہے
پہنچا نہیں اس سمع مبارک میں مرا حال
یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے
بیخوابی ترِی آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر رات
افسانہ مرِے حال کا مذکور ہوا ہے

کل صبح ہی مستی میں سرِ راہ نہ آیا
یاں آج مرا شیشۂ دل چور ہوا ہے

کیا سوجھے اسے جس کی ہو یوسف ہی نظر میں
یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہوا ہے

پرشور ہے یہ عشق معنی پسراں کے
یہ کاسۂ سر کاسۂ طنبور ہوا ہے

تلوار لئے پھرنا تو اب اس کا سُنا میں
نزدیک مرے کب کا یہ سر دور ہوا ہے

خورشید کی محشر میں تپش ہوگی کہاں تک
کیا ساتھ مرے داغوں کے محشور ہوا ہے

اے رشکِ سحر بزم میں لے منہ پہ نقاب اب
اک شمع کا چہرہ ہے سو بے نور ہوا ہے

اُس شوق کو ٹک دیکھ کہ چشمِ نگراں ہے
جو زخم جگر کا مرے ناسور ہوا ہے

□□□

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجئے
ہر سرِ حرف پہ فریادِ نہایت کیجئے

گو کہ سر خاک قدم پر ترِے لوٹے اس میں
اپنا شیوہ ہی نہیں یہ کہ شکایت کیجئے

ہم جگر سوختہ کے جی میں جو آوے تو ابھی
دو دل ہو کے فلک تجھ میں سرایت کیجئے

عشق میں آپ کے گزرے نہ ہماری تو مگر
عوض جور و جفا ہم پہ عنایت کیجئے

مت چلا عشق کی رہ ئی کہ کہے ہے یاں خضر
آپ ہی گمراہ ہیں ہم کس کو ہدایت کیجئے

کس کے کہنے کو ہے تاثیر کہ اک میر ہی سے
رمز و ایماؤ و اشارات و کنایت کیجئے

□□□

گئے جی سے چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے

وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں
مرو یا جیو کوئی اس کی بلا سے

کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبا کے
یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے

پشیمان توبہ سے ہوگا عدم میں
کہ غافل چلا شیخ لطف ہوا سے

نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں
کدورت مجھے ہے نہایت صبا سے

اگر چشم ہے تو وہی عینِ حق ہے
تعصب تجھے ہے عجب ماسوا سے

جگر سوئے مژگاں کھنچا جائے ہے کچھ
مگر دیدۂ تر ہیں لوہو کے پیاسے

طبیبِ سبک عقل ہرگز نہ سمجھا
ہوا دردِ عشق آہ دونا دوا سے

ٹک اے مدعی چشم انصاف وا کر
کہ بیٹھے ہیں یہ قافیے کس ادا سے

نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میرؔ جی آج کیوں ہو خفا سے

□□□

کبکوں نے تیری چال جو دیکھی ٹھٹک گئے
دل ساکنانِ باغ کے تجھ سے اٹک گئے

اندوہِ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا
ان دو ہی منزلوں میں بہت یار تھک گئے

مطلق اثر نہ اس کے دلِ نرم میں کیا
ہر چند نالہائے حزیں عرش تک گئے

افراطِ گریہ سے ہوئیں آبادیاں خراب
سیلاب میرے اشک کے اژدر بہک گئے

وے میکسار طرف جنہیں خم کشی کے تھے
بھر کر نگاہ تو نے جو کی وہیں چھک گئے

چند اے سپہر چھاتی ہماری جلا کرے
اب داغ کھاتے کھاتے کلیجے تو پک گئے

عشاق پر جو دے صف مژگاں پھریں تو میر
جوں اشک کتنے چو گئے کتنے ٹپک گئے

□□□

زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھئے
موند لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھئے

لختِ دل کب تک الٰہی چشم سے ٹپکا کریں
خاک میں تا چند ایسے لعل پارے دیکھئے

ہو چکا روزِ جزا اب اے شہیدانِ وفا
چونکتے ہیں خونِ خفتہ کب تمہارے دیکھئے

راہِ دورِ عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم
رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بارے دیکھئے

سینۂ مجروح بھی قابل ہوا ہے سیر کے
ایک دن تو آن کر یہ زخم سارے دیکھئے

ایک خوں ہو بہ گیا دو روتے ہی روتے گئے
دیدۂ دل ہو گئے ہیں سب کنارے دیکھئے

شست شو کا اُس کے پانی جمع ہو کر مہ بنا
اور منہ دھونے کے چھینٹوں سے ستارے دیکھیے
رہ گئے سوتے کے سوتے، کارواں جاتا رہا
ہم تو میر اس رہ کے خوابیدہ ہیں بارے دیکھیے

* * *

آنکھیں لڑا لڑا کر کب تک لگا رکھیں گے
اس پردے ہی میں خوباں ہم کو سلا رکھیں گے
فکر دہن میں اس کی کچھ بن نہ آئی آخر
اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے
مشت نمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے
چھاتی کے زخم میرے مدت مزا رکھیں گے
سبزانِ شہر اکثر درپئے ہیں آبرو کے
اب زہر پاس اپنے ہم بھی منگا رکھیں گے
آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروّت
یہ پاسِ آشنائی منظور کیا رکھیں گے
جیتے ہیں جب تلک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں ہیں
دیکھیں تو جور خوباں کب تک روا رکھیں گے
اب چاند بھی لگا ہے تیرے سے جلوے کرنے
شبہائے ماہ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے

مژگان و چشم و ابرو سب ہیں ستم پہ مائل
ان آفتوں سے دل ہم کیونکر بچا رکھیں گے
دیوان میر صاحب ہر یک کی ہے بغل میں
دو چار شعر ان کے ہم بھی لکھا رکھیں گے

* * *

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے
پر اس کے جی میں ہم سے کیا جانیے کہ کیا ہے
بالیں پہ میری آ کر ٹک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آ رہا ہے
بے اُس کے رک کے مرتے گرمیٔ عشق میں تو
کرتے ہیں آہ جب تک تب تک ہی کچھ ہوا ہے
شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیری
مژگانِ تر وگرنہ آنکھوں میں آشنا ہے
مت کر زمینِ دل میں تخمِ امید ضائع
بوٹا جو یاں اُگا ہے سو اگتے ہی جلا ہے
شرمندہ ہوتے ہوں گے خورشید و ماہ دونوں
خوبی نے منہ کی تیرے ظالم قراں کیا ہے
اے شمع بزمِ عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ بن
آنکھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہے

جیتے ہی جی تلک ہیں سارے علاقے سو تو
عاشق ترا مجرو فارغ ہی ہو چکا ہے
صد سحر و یک رقیمہ خط میر جی کا دیکھا
قاصد نہیں چلا ہے جادو مگر چلا ہے

□□□

حرم کو جایئے یا دیر میں بسر کریے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کریے
کٹے ہے دیکھئے یوں عمر کب تلک اپ
کہ سنئے نام ترا اور چشم تر کریے
وہ مست ناز تو مچلا ہے کیا جتایئے حال
جو بے خبر ہو بھلا اس کے تیئں خبر کریے
ہوا ہے دن تو جدائی کا سو تعب سے شام
شب فراق کس امید پر سحر کری
جہاں کا دید بجز ماتم نظارہ نہیں
کہ دیدنی ہی نہیں جس پہ یاں نظر کریے
جیون سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ
کبھو تو جانب عشاق بھی گزر کر
ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب اس کو
جو دل میں آوے تو ٹک رحم میر پر کریے

□□□

جب تک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے
ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے
اب کیا کریں نہ صبر ہے دل کو نہ جی میں تاب
کل اس گلی میں آٹھ پہر غش پڑے رہے
وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے رونے تیئں
بلبل سے آج باغ میں جھگڑے بڑے رہے
فرہاد و قیس ساتھ کے سب کب کے چل بسے
دیکھیں نباہ کیونکہ ہو اب ہم بچھڑے رہے
کس کے تیئں نصیب گل فاتحہ ہوئے
ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گڑے رہے
برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی
پھر گو کہ ہم بصورتِ ظاہر اڑے رہے
یعنی کہ اپنے عشق کے حیرانِ کار میر
دیوار کے سے نقشِ در اوپر کھڑے رہے

□□□

شش جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے
تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بسمل گاہ ہے

ایک نبھنے کا نہیں مژگاں تلک بوجھل ہیں سب
کاروانِ لختِ دل ہر اشک کے ہمراہ ہے
ہم جوانوں کو نچھوڑا اس سے سب پکڑے گئے
یہ دو سالہ دخترِ رز کس قدر شتاہ ہے
پا برہنہ خاک سر میں مو پریشاں سینہ چاک
حالِ میرا دیکھنے آ تیرے ہی دلخواہ ہے
اس جنوں پر میرؔ کوئی بھی پھرے ہے شہر میں
جادہ صحرا سے کر سازش جو تجھ سے راہ ہے

□□□

مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے
ہم تو بشر ہیں اُس جا پر جلتے ہیں ملک کے
مرتا ہے کیوں تو ناحق یاری برادری پر
دُنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے جی تلک کے
کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری
جاویں کدھر الٰہی مارے ہوئے فلک کے
لاتے نہیں نظر میں غلطانیِ گہر کو
ہم معتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی ڈھلک کے
کل اک مژہ نچوڑے طوفانِ نوح آیا
فکرِ فشار میں ہوں میر آج ہر پلک کے

□□□

تاچند ترے غم میں یوں زار رہا کیجئے
امید عیادت پر بیمار رہا کیجئے
نے اب ہے جگر کاوی نے سینہ خراشی ہے
کچھ جی میں یہ آئے ہے بیکار رہا کیجئے
کیفیت چشماں اب معلوم ہوئی اس کی
یہ مست ہیں دو خونی ہشیار رہا کیجئے
دل جاؤ تو اب جاؤ ہو خوں تو جگر ہووے
اک جان ہے کس کس کی غمخوار رہا کیجئے
ہے زیست کوئی یہ بھی جو میر کرے ہے تو
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجئے

□□□

میری پرشس پہ تری طبع اگر آوے گی
صورت حال تجھے آپی نظر آوے گی
محو اس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے گا شتاب
اُس سے بیخود کی بہت دیر خبر آوے گی
کتنے پیغام چمن کو ہیں سو دل میں ہیں گرہ
کسو دن ہم تئیں بھی بادِ سحر آوے گی

ابر مت گور غریباں پہ برس غافل
ان دل آزردوں کے جی میں بھی لہر آوے

میرؔ میں جیتوں میں آؤں گا اُسی دن جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی

* * *

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی

حال بدگفتنی نہیں
تم نے پوچھا تو مہربانی

سب کو جانا ہے یوں تو پر اے صبر
آتی ہے اک ترِی جوانی کی

تشنہ لب مر گئے ترِے عاش
نہ ملی ایک بوند پانی

بیت بحثی سمجھ کے کر بلبل
دھوم ہے میری خوش زبانی کی

جس سے کھوئی تھی نیند میرؔ نے کا
ابتدا پھر وہی کہانی

* * *

ہے یہ بازار جنوں، منڈی ہے دیوانوں کی
یاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

کیونکہ کہیے کہ اثر گریہء مجنوں کو نہ تھا
گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

یہ بگولہ تو نہیں دشت محبت میں سے
جمع ہو خاک اڑی کتنی پریشانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد تک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی

سیل اشکوں سے بہے، صرصر آہوں سے اڑے
مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی

دل و دیں کیسے کہ اُس رہزنِ دِلہا سے اب
یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جانوں کی

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرتِ شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

سرگزشتیں نہ مری سن کہ اچٹتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے مری جان ان انسانوں کی

میکدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میر
ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی

* * *

آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جا نہ تھی
دیوانگی کسو کی بھی زنجیر پا نہ تھی

بیگانہ سا لگے ہے چمن اب خزاں میں ہائے
ایسی گئی بہار مگر آشنا نہ تھی

کب تھا یہ شورِ نوحہ' ترا عشق جب نہ تھا
دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھی

وہ اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول
شرمندہ اثر تو ہماری دعا نہ تھی

آگے بھی تیرے عشق سے کھینچے تھے درد و رنج
لیکن کسو کے پاس متاعِ وفا نہ تھی

آئی پری سی پردۂ مینا سے جام تک
آنکھوں میں تیری دخترِ رز کیا حیا نہ تھی

اس وقت سے کیا ہے مجھے تو چراغ وقف
مخلوق جب جہاں میں نسیم و صبا نہ تھی

پژمردہ اس قدر ہیں کہ ہے شبہ ہم کو میرؔ
تن میں ہمارے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی

□□□

تیری گلی سے جب ہم عزمِ سفر کریں گے
ہر ہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے

آزردہ خاطروں سے کیا فائدہ سخن کا
تم حرف سر کرو گے' ہم گریہ سر کریں گے

عذرِ گناہِ خوباں' بدتر گنہ سے ہو گا
کرتے ہوئے تلافی بے لطف تر کریں گے

سر جائیگا ولیکن آنکھیں ادھر ہی ہونگی
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے

اپنی خبر بھی ہم کو اب دیر پہنچتی ہے
کیا جانے یار اُس کو کب تک خبر کریں گے

گر دل کی تاب و طاقت یہ ہے تو ہمنشیں ہم
شامِ غمِ جدائی کیونکر سحر کریں گے

یہ ظلم بے نہایت دیکھو تو خوبرویاں
کہتے ہیں جو ستم ہے ہم تجھ ہی پر کریں گے

اپنے ہی جی میں آخر انصاف کر کہ کب تک
تو یہ ستم کرے گا ہم درگزر کریں گے

صناعِ طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے
جو میرؔ جی لگے گا تو سب ہنر کریں گے

□□□

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی
یار کے تیر' جان لیجا بھی

کیوں تری موت آئی ہیگی عزیز
سامنے سے مرے ارے جا بھی

حال کہ چپ رہا تو میں بولا
کس کا قصہ تھا ہاں کہے جا بھی

کہنے لاگا نہ واہی بک اتنا
کیوں ہوا ہے سڑی ابی جا بھی

میں کہا میرؔ جاں بلب ہے شوخ
تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی

□□□

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی
رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
کب تلک داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو
مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی
وے ہی چالاکیاں ہاتھوں کی ہیں جو اوّل تھیں
اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی
خوفِ تنہائی نہیں کر تو جہاں سے تو سفر
ہر جگہ راہِ عدم میں ملیں گے یار کئی
اضطراب و قلق و ضعف میں کس طور جیوں
جان واحد ہے مری اور ہیں آزار کئی

□□□

دل کو تسکین نہیں اشک دمادم سے بھی
اس زمانے میں گئی ہے برکت غم سے بھی
ہمنشیں کیا کہوں اس رشک مہ تاباں بن
صبح عید اپنی ہے بدتر شب ماتم سے بھی
آخرِ کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام
سینہ چاک و دلِ پژمردۂ مژہ نم سے بھی
آہ ہر غیر سے تاچند کہوں جی کی بات
عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی

دوریِ کوچہ میں اے غیرتِ فردوس ترِی
کام گزرا ہے مرا گریۂ آدم سے بھی
ہمت اپنی ہی تھی یہ میرؔ کہ جوں مرغِ خیال
اک پر افشانی میں گزرے سر عالم سے بھی

□□□

تابِ دل صرفِ جدائی ہو چکی
یعنی طاقت آزمائی ہو چکی
چھوٹتا کب ہے اسیرِ خوش زباں
جیتے جی اپنی رہائی ہو چکی

آگے ہو مسجد کے نکلے اس کی راہ
شیخ سے اب پارسائی ہو چکی

درمیاں ایسا نہیں اب آئینہ
میری اس کی اب صفائی ہو چکی

ایک بوسہ مانگتے لڑنے لگے
اتنے ہی میں آشنائی ہو چکی

بیچ میں ہم ہی نہ ہوں تو لطف کیا
رحم کر اب بے وفائی ہو چکی

آج پھر تھا بے حمیت میرؔ واں
کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

□□□

اس وعدہ کی رات وہ آئی جو اس میں نہ لڑائی ہوئی
آخر اس اوباش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی

رَہ میں اُس بے اُلفت کے گھبراہٹ دل ہی کو تو نہیں
سارے حواسوں میں ہے تشتت جان بھی ہے گھبرائی ہوئی

گرچہ نظر ہے پشتِ پا پر لیکن قہر قیامت ہے
گڑ جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اس کی شرمائی ہوئی

جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھرا کیے
مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی

دردِ دل، سوزانِ محبت محو جو ہو تو عرش پہ ہو
یعنی دور بجھے گی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

چتون کی آغاز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے
اہلِ نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی

میرؔ کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط سے پیری میں
رقص کناں بازار تک آئے عالم میں رسوائی ہوئی

□□□

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے
پودے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے

آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

کیا مجھ کو اس کے رتبہ عالی سے اہلِ خاک
پھرتے ہیں جوں سپہر بہت ہم ورے ورے

مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے
یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے

گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگِ گل سے میرؔ
بلبل پکاری دیکھ کے صاحب پرے پرے

□□□

خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی
نگاہِ چشم اُدھر تو نے کیا قیامت کی

انہوں میں جو کہ ترے محو سجدہ رہتے ہیں
نہیں ہے قدر ہزاروں برس کی طاعت کی

اٹھائی ننگ سمجھ تم نے بات کے کہتے
وفا و مہر جو تھی رسم ایک مدت کی

رکھیں امید رہائی اسیر کاکل و زلف
مری تو باتیں ہیں زنجیر صرف الفت کی

رہے ہے کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں
ہوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی

سوال میں نے جو انجام زندگی سے کیا
قدِ خمیدہ نے سوئے زمیں اشارت کی

نہ میری قدر کی اُس سنگدل نے میرؔ کبھو
ہزار حیف کہ پتھر سے میں محبت کی

□□□

فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی
ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی

کہہ حدیث آنے کی اُس کے جو کیا شادی مرگ
نامہ بر کیا چلی تھی ہم کو خبر کرنے کی

کیا جلی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اے شمع
کہہ پتنگے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی

اب کی برسات ہی کی ذمہ تھا عالم کا وبال
میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی

پھول کچھ لیتے نہ نکلے تھے دل صد پارہ
طرز سیکھی ہے مرے ٹکڑے جگر کرنے کی

ان دنوں نکلے ہے آغشتہ بخوں راتوں کو
دھن ہے نالہ کو کسو دل میں اثر کرنے کی

عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر پٹکے
صورت اک یہ رہی ہے عمر بسر کرنے کی

کاروانی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میرؔ
رہ ہے درپیش سدا اس کو سفر کرنے کی

□□□

خرابی کچھ نہ پوچھو ملکتِ دل کی عمارت کی
غموں نے آج کل سنیو وہ آبادی سی غارت کی

نگاہِ مست سے جب چشم نے اُسکی اشارت کی
حلاوت مے کی اور بنیاد مے خانہ کی غارت کی

سحر گہ میں نے پوچھا گل سے حال زار بلبل کا
پڑے تھے باغ میں یک مشت پر اودھر اشارت کی

جلایا جس تجلی جلوہ گر نے طور کو ہمدم
اُسی آتش کے پر کالے نے ہم سی بھی شرارت کی
نزاکت کیا کہوں خورشید رو کی کل شب مہ میں
گیا تھا سایہ سایہ باغ تک تس پر حرارت کی
ترے کوچے کے شوقِ طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں میں غبار میر کی ہم نے زیارت کی

□□□

میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھوئی
سر پر مرے کھڑی ہو شب شمع زور روئی
آتی ہے شمع شب کو آگے ترِے یہ کہہ کر
منہ کی گئی جو لوئی تو کیا کرے گا کوئی
بے طاقتی نے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا، سو
رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈبوئی
بلبل کی بے کلی نے شب بے دماغ رکھا
سونے دیا نہ ہم کو، ظالم نہ آپ سوئی
اُس ظلم پیشہ کی یہ رسمِ قدیم ہے گی
غیروں پہ مہربانی، یاروں سے کینہ جوئی
نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفتگو کی
منہ میں زباں نہیں ہے اُس بدزباں کی گوئی

اس مہ کے جلوہ سے کچھ تا میرؔ یاد دیوے
ابکی گھروں میں ہم نے سب چاندنی ہے بوئی

□□□

الم سے یاں تئیں میں عشق ناتوانی کی
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی
چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی
ملائی خوب مرِے خوں میں خاکِ بسمل گاہ
یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی
بتنگ ہوں میں ترِے اختلاط سے پیری
قسم ہے اپنی مجھے اُس گئی جوانی کی
چلا ہے کھینچنے تصویرِ میرے بت کی آج
خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی
ترِی گلی کے ہر اک سگ نے توڑے استخواں
ہمارِی لاش کی شب خوب پاسبانی کی
رکھے ہیں میر ترِے منہ سے بیوفا خاطر
ترِی جفا کے تغافل کی بدگمانی کی

□□□

لا علاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی
کیجئے کیا میر صاحب بندگی بیچارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یکبارگی
روئے گل پر روز و شب کس شوق سے رہتا ہے بار
رخنہء دیوار ہے یا دیدۂ نظارگی
اشک خونیں آنکھ میں بھر لا کے پی جاتا ہوں میں
محتسب رکھتا ہے مجھ پر تہمت میخوارگی
مت فریب سادگی کھا ان سیہ چشموں کا میر
ان کی آنکھوں سے ٹپکتی ہے بڑی عیارگی

* * *

رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب
ہو جاتے ہیں ولیکن بختِ کنار ہر شب
مدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھے ہے
اُس آفتاب رُو کو یہ روزگار ہر شب
دیکھیں ہیں راہ کس کی یا رب کہ اختروں کی
رہتی ہیں باز آنکھیں چندیں ہزار ہر شب
دھوکے ترِے کسو دن میں جان دے رہونگا
کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گزار ہر شب

دل کی کدورت اپنے اک شب بیاں ہوئی تھی
رہتا ہے آسماں پر تب سے غبار ہر شب
کس کے لگا ہے تازہ تیر نگاہ اُس کا
اک آہ میرے دل کی ہوتی ہے پار ہر شب
مجلس میں میں نے اپنا سوزِ جگر کہا تھا
روتی ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب
مایوسِ وصل اُس کے کیا سادہ مرداں ہیں
گزرے ہے میر اُن کو امیدوار ہر شب

* * *

اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پر آب روز و شب
ٹپکا کرے ہے آنکھوں سے خوناب روز و شب
اِک وقت رونے کا تھا ہمیں بھی خیال سا
آتے تھے آنکھوں سے چلے سیلاب روز و شب
اُس کے لیے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھانتے
رہتا تھا پاس دور نایاب روز و شب
قدرت تو دیکھ عشق کی مجھ سے ضعیف کو
رکھتا ہے شاد بے خورو بے خواب روز و شب
سجدہ اس آستاں کا نہیں یوں ہوا نصیب
رگڑا ہے سر میانہء محراب روز و شب

اب رسم ربط اٹھ ہی گئی ورنہ پیش ازیں
بیٹھے ہی رہتے تھے بہم احباب روز و شب

دل کس کے رو و مو سے لگایا ہے میر نے
پاتے ہیں اس جوان کو بیتاب روز و شب

رویا کئے ہیں غم سے ترے ہم تمام شب
پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تمام شب

رُکنے سے دل کے آج بچا ہوں تو اب جیا
چھاتی رہی میں رہا ہے مرا دم تمام شب

یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں
روتی ہے یوں تو شمع بھی کم کم تمام شب

گزرا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز
کس کی کٹی زمانے میں بے غم تمام شب

شکوہ عبث ہے میر کہ کڑھتے ہیں سارے دن
یا دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب

□□□

کس کی مسجد، کیسے بتخانے، کہاں کے شیخ و شاب
ایک گردش میں تری چشمِ سیہ کے سب خراب

تو کہاں، اُس کی کمر کیدھر، نکریو اضطراب
اے رگِ گل دیکھیو کھاتی ہے جو تو پیچ و تاب

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عینِ دید ہے
کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

تو ہو اور دنیا ہو ساقی، میں ہوں مستی ہو مدام
پربطِ صہبا نکالے، اُڑ چلے رنگِ شراب

ہے ملاحت تیرے باعث شور پر تجھ سے نمک
ٹک تو رہ پیری چلی آتی ہے اے عہدِ شباب

کب تھی یہ بے جراتی شایانِ آہوئے حرم
ذبح ہوتا تیغ سے، یا آگ میں ہوتا کباب

کیا ہو رنگِ رفتہ، کیا قاصد ہو جس کو خط دیا
جز جوابِ صاف اس سے کب کوئی لایا جواب

وائے اس جینے پر اے مستی کہ دورِ چرخ میں
جامِ مے پر گردش آوے اور میخانہ خراب

چوب حرفی بن الف بے میں نہیں پہچانتا
ہوں میں ابجد خواں، شناسائی کو مجھ سے کیا حساب

مت ڈھلک مژگاں سے اب تو اے سرشکِ آبدار
مفت میں جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

کچھ نہیں بحرِ جہاں کی موج پر مت بھول میر
دور ہے دریا، نظر آتا ہے، لیکن ہے سراب

□□□

روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات
کیا فکر کروں میں کہ کسو ڈھب ہو ملاقات
نے بخت کی یاری ہے نہ کچھ جذب ہے کامل
وہ آپی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات
دوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک
اِک بار تو اُس شوخ سے یا رب ہو ملاقات
جاتی ہے غشی بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی
کچھ لطف اُٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات
وحشت ہے بہت میرؔ کو مل آیئے چل کر
کیا جانئے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

* * *

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جاناں سمیت
تیر تو نکلا مرِے سینے سے لیکن جاں سمیت
تنگ ہو جاوے گا عرصہ خفتگانِ خاک پر
گر ہمیں زیرِ زمیں سونپا دلِ نالاں سمیت
باغ کر دکھلائیں گے دامانِ دشتِ حشر کو
ہم بھی واں آئے اگر مژگانِ خون افشاں سمیت
قیس و فرہاد اور وامق عاقبت جی سے گئے
سب کو مارا عشق نے مجھ خانماں ویراں سمیت

اٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میرؔ
پھاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

* * *

کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات
کیسے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات
اب تو چپ لگ گئی ہے حیرت سے
پھر کھلے گی زبان جب کی بات
نکتہ دانانِ رفتہ کی نہ کہو
بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات
کس کا روئے سخن نہیں ہے ادھر
ہے نظر میں ہماری سب کی بات
ظلم ہے، قہر ہے، قیامت ہے
غصے میں اُس کے زیرِ لب کی بات
کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم
ہے خدا جانئے یہ کب کی بات
گو کہ آتش زباں تھے آگے میرؔ
اب کی کہئے، گئی وہ تب کی بات

* * *

ہر صبحدم کروں ہوں الحاح یا انابت
تو بھی مری دعا سے ملتی نہیں اجابت

مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ظالم
لائق نہیں ہے تیرے یہ کون سی ہے بابت

کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میر کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یا رب مری کتابت

* * *

پلکوں پہ تھے پارہ جگر رات
ہم آنکھوں میں لے گئے بسر رات

اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ
گزری ہے امیدوار ہر رات

مکھڑے سے اٹھائیں ان نے زلفیں
جانا بھی نہ ہم گئی کدھر رات

تو پاس نہیں ہوا تو روتے
رہ رہ گئی پہر پہر رات

کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں
رو اٹھتے تھے بیٹھ دو پہر رات

واں تم تو بناتے ہی رہے زلف
عاشق کی بھی یاں گزر گئی رات

ساقی کے جو آنے کی خبر تھی
گزری ہمیں ساری بے خبر رات

کیا سوزِ جگر کہوں میں ہمدم
آیا جو سخن زبان پر رات

صحبت یہ رہی کہ شمع روئی
لے شام سے تا دمِ سحر رات

کھلتی ہے جب آنکھ شب کو تجھ بن
کٹتی نہیں آتی پھر نظر رات

دن وصل کا یوں کٹا کہے تو
کاٹی ہے جدائی کی مگر رات

کل تھی شبِ وصل اک ادا پر
اس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات

جاگے تھے ہمارے بختِ خفتہ
پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات

تھی صبح جو منہ کو کھول دیتا
ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات

پر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا
اب ہووے گی میر کس قدر رات

* * *

جیتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت
مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمارِ محبت

امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد
مر جائے تبھی چھوٹے گرفتارِ محبت

تقصیر نہ خوباں کی نہ جلاد کا کچھ جرم
تھا دشمنِ جانی مرا اقرارِ محبت

ہر جنس کے خواہاں ملے بازارِ جہاں میں
لیکن نہ ملا کوئی خریدارِ محبت

اس راز کو رکھ جی ہی میں تا، جی بچے تیرا
زنہار جو کرتا ہو تو اظہارِ محبت

ہر نقشِ قدم پر ترے سر بیچے ہیں عاشق
ٹک سیر تو کر آج تو بازارِ محبت

کچھ مست ہیں ہم دیدہ پرخونِ جگر سے
آیا ہے یہی ساغرِ سرشارِ محبت

بیکار نہ رہ عشق میں تو رونے سے ہرگز
یہ گریہ ہی ہے آبِ رخ کارِ محبت

مجھ سا ہی ہو مجنوں بھی یہ کب مانے ہے عاقل
ہر سر نہیں اے میر سزاوارِ محبت

□□□

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات
پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو منہ پر آئی بات

جانے نہ تجھ کو جو یہ تصنع تو اس سے کر
تس پر بھی تو چھپی نہیں رہتی بنائی بات

اب تو ہوئے ہیں ہم ترے ڈھب سے آشنا
واں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پائی بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے
پوشیدہ کب رہی ہے کسی کی اڑائی بات

اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو
جاتی نہیں ہے مجھ سے کسو کی اٹھائی بات

خط لکھتے لکھتے میرؔ نے دفتر کئے رواں
افراطِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

□□□

نہ پایا دل، ہوا روزِ سیہ سے جس کا جا لٹ پٹ
کسو کی زلف ڈھونڈی موبمو کاکل کو سب لٹ لٹ

تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازہ کو موندے شب
میں چوکھٹ پر ترِی کرتا رہا سر کو ٹپک کھٹ کھٹ

چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو
چمن میں توڑتا ہے ہر سحر کلیوں کے تئیں چٹ چٹ

ترے ہجراں کی بیماری میں میر ناتواں کو شب
ہوا ہے خواب سوتا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ

□□□

آئے ہیں میرؔ منہ کو بنائے جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھ اُس بیوفا سے آج
واشد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی ملے
کھلتی نہیں گرہ یہ کسو کی دعا سے آج
جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہم نشیں
ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج
ساقی ٹک ایک موسمِ گل کی طرف بھی دیکھ
ٹپکا پڑے ہے رنگ چمن میں، ہوا سے آج
تھا جی میں اس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہیے میرؔ
پر کچھ کہا گیا نہ غمِ دل، حیا سے آج

□□□

کاش اٹھیں ہم بھی گنہ گاروں کے بیچ
ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے بیچ
جی سدا ان ابروؤں ہی میں رہا
کی بسر ہم عمر تلواروں کے بیچ

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ
ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں
شعبدے سے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ
جب سے لے نکلا ہے تو یہ جنسِ حسن
پڑ گئی ہے دھوم بازاروں کے بیچ
ٹاشقی و بے کسی و رفتگی
جی رہا کب ایسے آزاروں کے بیچ
جو سرشک اس ماہ بن چمکے ہے شب
وہ چمک کاہے کو ہے تاروں کے بیچ
اس کے آتشناک رخساروں بغیر
لوٹئے یوں کب تک انگاروں کے بیچ
بیٹھنا غیروں میں کب ہے ننگِ یار
پھول گل ہوتے ہی ہیں خاروں کے بیچ
یارو مت اُس کا فریب مہر کھاؤ
میر بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے بیچ

□□□

فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے بیچ
بھیجدے کیوں و زلیخا اُسے کنعان کے بیچ

تو نہ تھا مردنِ دشوار میں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق اک جان کے بیچ
چشم بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر
خون جھمکے ہے پڑا دیدہ گریان کے بیچ
حال گلزارِ زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق
رنگ کچھ اور ہی جائے ہے اک آن کے بیچ
تاک کی چھاؤں میں جو مست پڑی سوتی ہیں
اینڈتی ہیں نگہیں سایہء مژگان کے بیچ
جی لیا بوسہء رخسارِ مخطط دے کر
عاقبت ان نے ہمیں زہر دیا پان کے بیچ
دعویٰ خوش دہنی اس سے اسی منھ پر گل
سر تو ٹک ڈال کے دیکھ اپنے گریبان کے بیچ
کان رکھ رکھ کے بہت دردِ دل میر کو تم
سنتے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے بیچ

□□□

کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ
دن نہ پھر جائیں گے عشاق کے اک رات کے بیچ
حرف زن مت ہو کسی سے تو کہ اے آفتِ شہر
جاتے رہتے ہیں ہزاروں کے سر اک بات کے بیچ

میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہوگا
سبحہ اِک ہاتھ میں ہے جام ہے اک بات کے بیچ
سرمگیں چشم پہ اس شوخ کے زنہار نہ جا
ہے سیاہی مژہ میں وہ نگہ گھات کے بیچ
بیٹھیں ہم اس کے سگ کو کے برابر کیونکر
کرتے ہیں ایسی معیشت تو مساوات کے بیچ
تاب و طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری
پند گویوں ہی نکر اب خلل اوقات کے بیچ
زندگی کس کے بھروسے پہ محبت میں کروں
ایک دلِ غمزدہ ہے سو بھی ہے آفات کے بیچ
بے مئے و مغبچہ اک دم نہ رہا تھا کہ رہا
اب تلک میرؔ کا تکیہ ہے خرابات کے بیچ

□□□

ساتھ ہو اک بیکسی کا عالمِ ہستی کے بیچ
باز خواہِ خوں ہے میرا گو اسی بستی کے بیچ
عرش پر ہے ہم نمد پوشانِ الفت کا دماغ
اوج دولت کا سا ہے یاں فقر کی پستی کے بیچ
ہم سیہ کاروں کا ہنسنا وہ ہے میخانے کی اور
آ گئے ہیں میرؔ مسجد میں چلے مستی کے بیچ

* * *

ہونے لگا گداز غمِ یار بے طرح
رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح
اب کچھ طرح نہیں ہے کہ ہم غمزدے ہوں شاد
کہنے لگا ہے منہ سے ستم گار بے طرح
جاں بر تمہارے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی
رکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح
فتنہ اٹھے گا ورنہ نکل گھر سے تو شتاب
بیٹھے ہیں آ کے طالبِ دیدار بے طرح
لوہو میں شور بور ہے دامان و جیبِ میر
بپھرا ہے آج دیدۂ خونبار بے طرح

* * *

خاطر کرے ہے جمع وہ ہر بار ایک طرح
کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح
میں اور قیس و کوہکن اب جو زباں پہ ہیں
مارے گئے ہیں سب یہ گنہگار ایک طرح
منظور اُس کو پردے میں ہیں بے حجابیاں
کس سے ہوا دوچار وہ عیار ایک طرح

سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں
پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح
گھر اُس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو کے ہم
کریے مکاں ہی اب سرِ بازار ایک طرح
گہ گل ہے گاہ رنگ گہے باغ کی ہے بو
آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح
نیرنگِ حسن دوست سے کر آنکھیں آشنا
ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار ایک طرح
ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میرؔ کو
ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح

* * *

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی بانکی طرح
کی عشق نے خرابی ہے اس خانداں کی طرح
جوں سبزہ چل چمن میں لبِ جو پہ سیر کر
عمرِ عزیز جاتی ہے آبِ رواں کی طرح
جو سقفِ بے عمد ہو نہیں اُس کا اعتماد
کس خانماں خراب نے کی آسماں کی طرح
اثباتِ بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو
کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آشیاں کی طرح

□□□

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ابھریں گے عشقِ دل سے ترے راز میرے بعد

جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے ناسمجھ
کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد

شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا
ہر شب کریں گے زندگی ناساز میرے بعد

حسرت ہے اُس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاس
اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد

کرتا ہوں میں جو نالے سرانجامِ باغ میں
منہ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد

بن گل موا ہی میں تو، پہ تو جا کے لوٹیو
صحنِ چمن میں اے پرِ پرواز میرے بعد

بیٹھا ہوں میر مرنے کو اپنے میں مستعد
پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

□□□

ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے
طائرِ پر بریدہ کے مانند

دل تڑپتا ہے اشکِ خونیں میں
صید درخوں طپیدہ کے مانند

تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت دیں
تب شنیدہ ہو دیدہ کے مانند

میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے لیک
بندۂ زرخریدہ کے مانند

□□□

میرے سنگِ مزار پر فرہاد
رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو ملال
جان کے ساتھ ہے دلِ ناشاد

موند آنکھیں سفر عدم کا، کر
بس ہے دیکھا نہ عالمِ ایجاد

فکرِ تعمیر میں نہ رہ منعم
زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد

خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں
کس خرابے میں ہم ہوئے آباد

سنتے ہو ٹک سنو کہ پھر مجھ بعد
نہ سنو گے یہ نالہ و فریاد

لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم
خاک کس دل جلے کی کی برباد

بھولا جائے غم بتاں میں جی
غرض آتا ہے پھر خدا ہی یاد

تیرے قیدِ قفس کا کیا شکوہ
نالے اپنے سے اپنی ہے فریاد

ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز
باغ ہے گھر ترا۔ تو اے صیاد

ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں
اپنی قیدِ حیات سے آزاد

ایسا ہے شوخ وہ کہ اٹھتی صبح
جانا سو جائے اس کی ہے معتاد

نہیں صورت پذیر نقش اس کا
یوں ہی تصدیع کھینچے ہے بہزاد

خوب ہے خاک سے بزرگوں کی
چاہنا تو مرے تئیں امداد

پر مروّت کہاں کی ہے اے میر
تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد

نامرادی ہو جس پہ پروانہ
وہ جلاتا پھرے چراغِ مراد

* * *

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں دعا یاد
آوے گی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد

ہر آن وہ انداز ہے جس میں کہ کہے جی
اُس مخترعِ جور کو کیا کیا ہے ادا یاد

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھی وفا یاد ہے، اُس کی بھی جفا یاد

جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی
ہم عصر کے علامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد

سب غلطی رہی بازیِ طفلانہ کی یکسو
وہ یاد فراموش تھے، ہم کو نہ کیا یاد

کعبے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

اک لطف کے شرمندہ نہیں میر ہم اس سے
گو یاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

* * *

غیروں سے وے اشارے، ہم سے چھپا چھپا کر
پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر

ہر گام سد رَہ تھی بتخانے کی محبت
کعبے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

نخچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا
حسرت نے اُس کو مارا آخر لٹا لٹا کر

اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ چاہی اُس سے
رکھا ہمیں تو ان نے آنکھیں دکھا دکھا کر

ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق .
گودڑ کیا گریباں سارا سِلا سِلا کر

اک رنگِ پاں ہی اس کا دل خون کن جہاں ہے
پھبتا ہے اس کو کرنا باتیں چبا چبا کر

جوں شمعِ صبحگاہی اک بار بجھ گئے ہم
اس شعلہ خو نے ہم کو مارا جلا جلا کر

اس حرفِ ناشنو سے صحبت بگڑ ہی جائے
ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر

میں منع میر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر

□□□

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہلِ دل ضبط نفس بہتر

نہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشمِ گریاں کے
نظر اے ابرِ تر آپی نہ آوے گا برس بہتر

سدا ہو خار خار باغباں گل کا جہاں مالغ
سمجھ اے عندلیب اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

برا ہے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کریے
شہادت گاہ میں لے چل سب اپنے بوالہوس بہتر

سیہ کر دوں گا گلشن دودِ دل سے باغباں میں بھی
جلا آتش میں میرے آشیاں کے خار وخس بہتر

کیا داغوں سے رشک باغ اے صد آفریں الفت
یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا درکار بس بہتر

قدم تیرے چھوئے تھے جن نے اب وہ ہاتھ ہے سر ہے
مرے حق میں نہونا ہی تھا یاں تک دسترس بہتر

عبث پوچھے ہے مجھ سے میرؔ میں صحرا کو جاتا ہوں
خرابی ہے یہ دل رکھا ہے جو تو نے تو بس بہتر

□□□

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ مری تڑا
توبہ کروں جو پھر تو ہے توبہ ہزار بار

کیا زمزمہ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہم صفیر
آیا جو میں چمن میں تو جاتی رہی بہار
کس ڈھب سے راہِ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے
پھوٹیں کہیں نہ آبلے ٹوٹیں کہیں نہ خار
کوچے کی اُس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ
دل میں صبا رکھے تھی مِری خاک سے غبار
اے پائے خم کی گردش ساغر ہو دستگیر
مرہونِ دردِ سر ہو کہاں تک مِرا خمار
وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میر
آسودگی رکھے ہے بہت گوشہء مزار

□□□

یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر
اگرچہ جان جاتی ہے چلی، لیکن تغافل کر
سفر ہستی کا مت کر سرسری، جوں باد اے رہرو
یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر ٹک تامل کر
گلچیں
سن اے بیدرد گلچیں غارتِ گلشن مبارک ہو
پہ ٹک گوشِ مروت جانبِ فریادِ بلبل کر
نہ وعدہ تیرے آنے کا، نہ کچھ امید طالع سے
دلِ بیتاب کو کس منہ سے کہیے ٹک تحمل کر

یہ کیا جانوں کہ کیوں رونے لگا رونے سے رہ کر میں
مگر یہ جانتا ہوں مینہ گھر آتا ہے پھر کھل کر
مِرے پاس اس کی خاکِ پائے بیماری میں رکھا تھا
نہ آیا سر مِرا بالیں یہ اودھر جو گیا ڈھل کر
تجلی جلوہ ہیں کچھ بام و درِ غم خانہ کے میرے
وہ رشکِ ماہ آیا ہمنشیں بس اب دیا گل کر
ترِی خاموشی سے قمری ہوا شورِ جنوں رسوا
ہلا ٹک طوق گردن کو بھی ظالم باغ میں غل کر
گدازِ عاشقی کا میر کے شب ذکر آیا تھا
جو دیکھا شمعِ مجلس کو تو پانی ہو گئی گھل کر

□□□

آشوب دیکھ چشم ترِی سر رہے ہیں جوڑ
پلکوں کی صف سے بھیڑیں گئیں منہ کو موڑ موڑ
لاکھوں جتن کئے نہوا ضبطِ گریہ لیک
سنتے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کروڑ
زخم دروں سے میرے نہ ٹک بے خبر رہو
اب ضبطِ گریہ سے ہے ادھر ہی کو سب نچوڑ
گرمی سے برشکال کی پروا ہمیں ہے کیا
برسوں رہی ہے جان کے رکنے کی یاں مروڑ

بلبل کی اور چشمِ مروّت سے دیکھ ٹک
بے درد یوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ
کچھ کوہکن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام
بہتیرے عاشقی میں موئے سر کو پھوڑ پھوڑ
بے طاقتی سے میر لگے چھوٹنے پران
ظالم خیال دیکھنے کا اُس کے اب تو چھوڑ

* * *

ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا وا ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز
دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں
پھرتا ہوں منہ پہ خاک ملے جا بجا ہنوز
خط کاڑھ لا کے تم تو منڈا بھی چلے ولے
ہوتی نہیں ہماری تمہاری صفا ہنوز
غنچے چمن چمن کھلے اس باغِ دہر میں
دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہہ اٹھا
جیتا ہے وہ ستمزدہ مہجور کیا ہنوز
غنچہ نہ بوجھ دل ہے کسی مجھ سے زار کا
کھلتا نہیں جو سعی سے تیری صبا ہنوز

توڑا تھا کس کا شیشہء دل تو نے سنگدل
ہے دل خراش کوچے میں تیرے صدا ہنوز
چلو میں اس کے میرا لہو تھا سو پی چکا
اڑتا نہیں ہے طائرِ رنگِ حنا ہنوز
بے بال و پر اسیر ہوں کنجِ قفس میں میر
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

* * *

ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز
ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز
آتشِ دل نہیں بجھی شاید
قطرۂ اشک ہے شرارہ ہنوز
اشک جھمکا ہے جب نہ نکلا تھا
چرخ پر صبح کا ستارہ ہنوز
لب پہ آئی ہے جان کب کی ہے
اُس کے موقوف ایک اشارہ ہنوز
عمر گزری دوائیں کرتے میر
درد دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز

* * *

اے ابرِ تر تو اور کسی سمت کو برس
اس ملک میں ہماری ہے یہ چشمِ تر ہی بس
حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا
اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس
مژگاں بھی بہ گئیں مرے رونے سے چشم کی
سیلاب موج مارے تو ٹھہرے ہے کوئی خس
مجنوں کا دل ہوں محملِ لیلیٰ سے ہوں جدا
تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالہء جرس
اے گریہ اس کے دل میں اثر خوب ہی کیا
روتا ہوں جب میں سامنے اس کے تو دے ہے ہنس
اس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکوں
کہتا ہوں ایک میں تو سناتا ہے مجھکو دس
حیراں ہوں میر نزع میں، اب کیا کروں بھلا
احوالِ دل بہت ہے مجھے فرصت یک نفس

* * *

کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس
آ کے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس
ہے پریشاں دشت میں کس کا غبارِ ناتواں
گرد کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس

گرم ہوگا حشر کو ہنگامہ دعویٰ بہت
کاش کہ مجھ کو نہ لے جاویں مرے قاتل کے پاس
دور اس سے جوں ہوا دل، پر بلا ہے مضطرب
اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسو بسمل کے پاس
بوئے خوں آتی ہے بادِ صبحگاہی سے مجھے
نکلی ہے بیدرد شاید ہو کسو گھائل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو
اے ستم کش میر ظالم، ہے جگر بھی دل کے پاس

* * *

ہر جزر و مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش
کس کا ہے راز بحر میں یارب کہ یہ ہیں جوش
ابروئے کج ہے موج کوئی چشم ہے حباب
موتی کسی کی بات ہے، سیپی کسی کا گوش
ان مغبچوں کے کوچے ہی سے میں کیا سلام
کیا مجھ کو طوفِ کعبہ سے، میں رندِ درد نوش
حیرت سے ہووے پرتوِ مہ نورِ آئینہ
تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش
کل ہم نے سیرِ باغ میں دل ہاتھ سے دیا
اِک سادہ گل فروش کا آ کر سبد بدوش

جاتا رہا نگاہ سے جوں موسمِ بہار
آج اُس بغیر داغِ جگر ہیں سیاہ پوش

شب اس دلِ گرفتہ کو وا کر بزورِ مے
بیٹھے تھے شیرہ خانہ میں ہم کتنے ہرزہ کوش

آئی صدا کہ یاد کرو دورِ رفتہ کو
عبرت بھی ہے ضرور ٹک اے جمع تیز ہوش

جمشید جس نے وضع کیا جام' کیا ہوا .
وے صحبتیں کہاں گئیں' کیدھر وے ناؤ نوش

جُز لالہ اُس کے جام سے پاتے نہیں نشاں
ہے کوکنار اُس کی جگہ اب سبو بدوش

جھومے ہے بید جائے جوانانِ مے گسار
بالائے خم ہے خشت سر پیر مے فروش

میر اس غزل کو خوب کہا تھا ضمیر نے
پر اے زباں دراز' بہت ہو چکی' خموش

□□□

ہم اور تیری گلی سے سفر' دروغ دروغ
کہاں دماغ ہمیں اس قدر' دروغ دروغ

تم اور ہم سے محبت تمہیں' خلاف خلاف
ہم اور الفتِ خوبِ دگر' دروغ دروغ

غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنک غافل
تم اور پوچھو ہماری خبر' دروغ دروغ

فروغ کچھ نہیں دعویٰ کو صبحِ صادق کے
شبِ فراق کو کب ہے سحر' دروغ دروغ

کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہو میر سے تو
وہ اور اُس کو کسو پر نظر' دروغ دروغ

□□□

ہے آگ کا سا نالہء کاہش فزا کا رنگ
کچھ اور صبحدم سے ہوا ہے ہوا کا رنگ

بے گہ شکستہ رنگیِ خورشید کیا عجب
ہوتا ہے زرد بیشتر اہلِ فنا کا رنگ

خوبی ہے اس کی تیزیِ تحریر سے بروں
یا اس کا طورِ حسن لکھوں کیا ادا کا رنگ

پوچھیں ہیں وجہِ گریہء خونیں جو مجھ سے لوگ
کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ

مقدور تک نہ گزرے مرے خوں سے یار میر
غیروں سے کیا گلہ ہے' یہ ہے آشنا کا رنگ

□□□

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ
بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

مظاہر سب اُس کے، مظاہر ہے وہ
تکلف ہے یاں جو چھپاتے ہیں لوگ

عجب کی جگہ ہے کہ اُس کی جگہ
ہمارے تئیں ہی بتاتے ہیں لوگ

رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا
کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ

اس ابرو کماں پر جو قرباں ہیں ہم
ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ

نہ سویا کوئی شورِ شب سے مرے
قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ

اُن آنکھوں کے بیمار ہیں میر ہم
بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

* * *

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
آ جاویں جو یہ ہرجائی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم

گریہ خونیں تک بھی رہے تو خاک سی منہ پر اڑتی ہے
شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

اسکی نہ پوچھو دوری میں اُن نے پرسشِ حال ہماری نہ کی
ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آ کر پاس وفا سے ہم

چپکی کیا انواعِ اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم

کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جاتا میر
سر رگڑے ہیں، آنکھیں ملے ہیں، اُس کے حنائی پا سے ہم

* * *

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں

درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے
اب دوا کی بھی احتیاج نہیں

ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

شہرِ خوبی کو خوب دیکھا میرؔ
جنسِ دل کا کہیں رواج نہیں

* * *

عشق کرنے کو جگر چاہیے، آساں نہیں
سب کو دعویٰ ہے ولے ایک میں یہ جاں نہیں

غارت دیں میں نگہ خصمی ایماں میں ادا
تجھ کو کافر نہ کہے جو وہ مسلماں نہیں

سرسری ملئے بتوں سے جو نہ ہو تابِ جفا
عشق کا ذائقہ کچھ داخلِ ایماں نہیں

ایک بیدرد تجھے پاس نہیں عاشق کا
ورنہ عالم میں کسو خاطر مہماں نہیں

کیونکہ غم سرزدہ ہر لحظہ نہ آوے دل میں
گھر ہے درویش کا یاں در نہیں درباں نہیں

ہم نشیں آہ تکلیفِ شکیبائی کر
عشق میں صبر و تحمل ہو یہ اِمکاں نہیں

کس طرح منزلِ مقصود پہنچیں گے میر
سفرِ دور ہے اور ہم کنے ساماں نہیں

□□□

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں

ایک ایک فرطِ دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جام شراب پر نہ کرو میں نشے میں ہوں

مستی سے برہمی ہے مِری گفتگو کے بیچ
جو چاہو تو بھی مجھ کو کہو میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جامِ مے
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں

معذور ہوں جو پاؤں مِرا بے طرح پڑے
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں

بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہے کچھ
چلتا ہوں میں بھی ٹک تو رکو میں نشے میں ہوں

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی
ہو شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

□□□

لب ترے لعلِ ناب ہیں دونوں   پر تمامی عتاب ہیں دونوں
رونا آنکھوں کا روئیے کبتک   چھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں
ہے تکلف نقاب وے رخسار   کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں
تن کے معمورہ میں یہی دل وچشم   گھر تھے دو سو خراب ہیں دونوں
کچھ نہ پوچھو کہ آتشِ غم سے   جگر و دل کباب ہیں دونوں
سو جگہ اُس کی آنکھیں پڑتی ہیں   جیسے مستِ شراب ہیں دونوں
پاؤں میں وہ نشہ طلب کا نہیں   اب تو مستِ خراب ہیں دونوں
ایک سب آگ ایک سب پانی   دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں
بحث کا ہے کو لعل و مرجاں سے   اُس کے لب ہی جواب ہیں دونوں

آگے دریا تھے دیدۂ تر میر
اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں

* * *

ہے غزل میر یہ شفائی کی
ہم نے بھی طبع آزمائی کی

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جئے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی

وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی

اسی تقریب اُس گلی میں رہے
منتیں ہیں شکستہ پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کی تاثیر
آہ نے، آہ نارسائی کی

کاسہء چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائی کی

زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسہ پہ آشنائی کی

* * *

کچھ کرو فکر مجھ دِوانے کی
دھوم ہے پھر بہار آنے کی

دل کا اُس کنج لب سے دے ہیں نشاں
بات لگتی تو ہے ٹھکانے کی

وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دور ہی دور
ہے یہ تقریب جی کے جانے کی

تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

کسو کم ظرف نے لگائی آہ
تجھ سے میخانے کے جلانے کی

ورنہ اے شیخ شہر واجب تھی
جام داری شرابِ خانے کی

جو ہے سو پائمال غم ہے میر
چال بے ڈول ہے زمانے کی

* * *

چلتے ہوتو چمن کو چلئے، کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم بادو باراں ہے

رنگ ہو سے یوں ٹپکے ہے، جیسے شراب چواتے ہیں
آگے ہو میخانے کے نکلو، عہدِ بادہ گساراں ہے

عشق کے میداں داروں میں بھی مرنے کا ہے وصف بہت
یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کارِ کار گزاراں ہے

دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے، آنسو سارے خون ہوئے
لوہو پانی ایک کرے یہ عشقِ لالہ زاراں ہے
کوہکن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں ہم کو میر نہایت پاسِ عزت داراں ہے

□□□

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک
شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
خانہء دل سے زینہار نہ جا
کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا
شور اک آسماں سے اٹھتا ہے
لڑتی ہے اس کی چشمِ شوخ جہاں
ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے
سدھ لے گھر کی بھی شعلہء آواز
دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے
بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو
جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

یوں اٹھے آہ! اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
عشق اک میر بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

□□□

برنگ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہِ صبا ٹک سیر کرتے، پھر ہوا ہوتے
سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے گر دِل بے مدعا ہوتے
فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبارِ راہ ہوتے یا کسو کی خاکِ پا ہوتے
الٰہی کیسے ہوتے ہیں، جنہیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے، خدا ہوتے
تو ہے کس ناحیہ سے اے دیارِ عشق کیا جانوں
ترِے باشندگاں میں کاش سارے بیوفا ہوتے
اب ایسے ہیں کہ صانع کی مزاج اوپر بہم پہنچے
جو خاطر خواہ اپنے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے
کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے، میر کیا جانے
انہیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے

□□□

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

چشمِ دل کھول اس بھی عالم پر
یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

نقطۂ خال سے ترا ابرو
بیت اک انتخاب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز
اُسی خانہ خراب کی سی ہے

آتشِ غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بو کباب کی سی ہے

دیکھیے ابر کی طرح اب کے
میری چشم پر آب کی سی ہے

میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

□□□

ب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے
ں ہم نہ بُرا مانے تو کون بُرا مانے

سرمایۂ صد آفت، دیدار کی خواہش ہے
دل کی تو سمجھ لیجیے، گر چشم کہا مانے

مسدود ہی اے قاصد بہتر ہے رہ نامہ
کیا کیا نہ لکھیں ہم تو، جو یار لکھا مانے

ٹک حال شکستہ کی سننے ہی میں سب کچھ ہے
پر وہ تو سخن رس ہے، اس بات کو کیا مانے

بےطاقتیِ دل نے سائل بھی کیا ہم کو
پر میرؔ فقیروں کی یاں کون صدا مانے

□□□

دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاہیے

عشق و میخواری نبھے ہے کوئی درویشی کے بیچ
اس طرح کے خرچِ لاحاصل کو دولت چاہیے

عاقبت فرہاد مر کر کام اپنا کر گیا
آدمی ہووے کسی پیشے میں، جرات چاہیے

ہو طرف مجھ پہلواں شاعر کا کب عاجزِ سخن
سامنے ہونے کو صاحب، فن کی قدرت چاہیے
عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو
قرب و بعد اس جا برابر ہے، محبت چاہیے
نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے اے بوالہوس
یہاں صعوبت کھینچنے کو جی میں طاقت چاہیے
تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر
خیریت ہے میر صاحب، دل سلامت چاہیے

* * *

جب نام ترا لیجئے، تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے
تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہے ظالم
یہ تو ہو کوئی گورِ غریباں میں در آوے
میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ
دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے
کیا جانیں وہ مرغانِ گرفتارِ چمن کو
جن تک کہ بصد ناز نسیمِ سحر آوے
تو صبح قدم رنجہ کرے ٹک تو ہے ورنہ
کس واسطے عاشق کی شبِ غم بسر آوے

ہر سو سرِ تسلیم رکھے صید حرم میں
وہ صید فگن تیغ بکف تا کدھر آوے
دیواروں سے سر مارتے پھرنے کا گیا وقت
اب تو ہی مگر اب کبھو اس اور در آوے
واعظ نہیں کیفیتِ میخانہ سے آگاہ
اک جرعہ بدل ورنہ یہ مندیل بر آوے
صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اُس میں جسے کچھ ہنر آوے
اے وہ کہ تو بیٹھا ہے سرِ راہ پہ زنہار
کہیو جو کبھو میر بلاکش ادھر آوے
مت دشتِ محبت میں قدم رکھ کہ خضرؑ کو
ہر گام پہ اُس رہ میں سفر سے حذر آوے

* * *

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے
زنہار اگر خستہ دلاں بیستوں جاؤ
ٹک پاس ہنر مندیِ فرہاد کرو گے
غیروں پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خوباں
اک اور مِری جان پہ بیداد کرو گے

جا گہ نہیں یاں روئیے جس پر نہ کھڑی ہو
کچھ شور ہی شر پر تو مجھے یاد کرو گے
اس دشت میں اے راہرواں ہر قدم اوپر
مانند جرس' نالہ و فریاد کرو گے
گر دیکھو گے تم طرزِ کلام اُس کی نظر کر
اے اہلِ سخن میرؔ کو استاد کرو گے

* * *

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
جن کی خاطر کی استخواں شکنی
سو ہم اُن کے نشانِ تیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے
آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں
ان دنوں تم بہت شریر ہوئے
اپنے روتے ہی روتے صحرا کے
گوشے گوشے میں آب گیر ہوئے
ایسی ہستی عدم میں داخل ہے
نے جواں ہم نہ طفلِ شیر ہوئے

ایک دم تھی نمود و بود اپنی
یا سفیدی کی یا اخیر ہوئے
یعنی مانند صبح دُنیا میں
ہم جو پیدا ہوئے سو پیر ہوئے
مت مل اہلِ دول کے لڑکوں سے
میرؔ جی ان سے مل فقیر ہوئے

* * *

ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے
ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے پر دل کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
مقامر خانہء آفاق وہ ہے
کہ جو آیا ہے یہاں کچھ کھو گیا ہے
کچھ آؤ زلف کے کوچہ میں درپیش
مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے
سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

* * *

عمر بھر ہم رہے شرابی سے
دل پرخون کی اک گلابی سے

جی ڈہا جائے ہے سحر سے آہ
رات گزرے گی کس خرابی سے

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا
داغ ہوں اُس کی بے حجابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

□□□

کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے
گاہے بُکا کرے ہے، گاہے دُعا کرے ہے

دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہے
اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہے

فتنہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہے
سو خواب میں کبھو تو مجھ سے ملا کرے ہے

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو مَلا کرے ہے

کیا کہیے داغ دل ہے، ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

اُس بت کی کیا شکایت راہ و روش کی کریے
پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے

کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے

گرم آ کر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے

دشمن ہو یار جیسا، درپے ہے خوں کے میرے
ہے دوستی جہاں واں یوں ہی ہوا کرے ہے

سمجھا ہے یہ کہ مجھ کو خواہش ہے زندگی کی
کس ناز سے معالج میری دوا کرے ہے

حالت میں غش کے کس کو خط لکھنے کی ہے فرصت
اب جب نہ تب ادھر کو جی ہی چلا کرے ہے

سرکا ہے جب وہ برقع تب آپ سے گئے ہیں
منہ کھولنے سے اس کے اب جی چھپا کرے ہے

بیٹھے ہے یار آ کر جس جا پہ ایک ساعت
ہنگامہء قیامت واں سے اٹھا کرے ہے

سوراخ سینہ میرے رکھ ہاتھ بند مت کر
ان روزنوں سے دل تک کسب ہوا کرے ہے

کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
گل ہی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
ایک آدھ دن جو موسم ایکی وفا کرے ہے
گہ سرگزشت ان نے فرہاد کی نکالی
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ میرؔ عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

□□□

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
دانہ کرتے نگاہ
ھی چھپا کر چلے

بہت آرزو تھی گلی کی تر
سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے
دکھائی دیے یوں کہ بیخود کیا
ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گ
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں
چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں، شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
گئی عمر در بند فکر غزل
سو اس فن کو ایسا برا کر چلے
کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

□□□

گلگشت کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے
آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے

فرصت میں یک نفس کے کیا دردِ دل سنو گے
آئے تو تم ولیکن وقتِ اخیر آئے
دلّی میں اب کی آ کر ان یاروں کو نہ دیکھا
کچھ دے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے
کیا خوبی اس چمن کی موقوف ہے کسو پر
گل گر گئے عدم کو نکھرے نظیر آئے
شکوہ نہیں جو اس کو پروا نہ ہو ہماری
دروازے جس کے ہم سے کتنے فقیر آئے
عمرِ دراز کیونکر مختارِ خضر ہے یاں
ایک آدھ دن میں ہم تو جینے سے سیر آئے
نزدیک تھی قفس میں پروازِ روح اپنی
غنچے ہوں گلبنوں پر جب ہم صفیر آئے
یوں بیٹھے بیٹھے ناگہ گردن لگے ہلانے
سر شیخ جی کے گویا مجلس میں پیر آئے
قامت خمیدہ اُس کی جیسی کماں تھی لیکن
قرباں گہِ وفا میں مانندِ تیر آئے
بن جی دیئے نہیں ہے امکاں یہاں سے جانا
بسمل گہِ جہاں میں اب ہم تو میر آئے

□□□

چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے
گل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہے
سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو اللہ اللہ ہے
تری آہ کس سے خبر پایئے
وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
مرے لب پہ رکھ کان آواز سُن
کہ اب تک بھی یک ناتواں آہ ہے
گزر سر سے تب عشق کی راہ چل
کہ ہر گام یاں اک خطرگاہ ہے
کبھو وادیِ عشق دکھلایئے
بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے
جہاں سے تو رختِ اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں بے خبر راہ ہے
نہ شرمندہ کر اپنے منھ سے مجھے
کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے
یہ وہ کارواں گاہ دلکش ہے میر
کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

□□□

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے   بو گئی کچھ دماغ میں گل کے
جائے روغن دیا کرے ہے عشق   خونِ بلبل چراغ میں گل کے
دل تسلی نہیں صبا ورنہ   جلوے سب ہینگے داغ میں گل کے
اس حدیقے کے عیش پر مت جا   مے نہیں ہے ایاغ میں گل کے
سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سراغ میں گل کے

□□□

شمع صفت جب بھومر جائیں گے   ساتھ لئے داغ جگر جائیں گے
تند نہو ہم تو موئے پھرتے ہیں   کیا تری ان باتوں سے ڈر جائیں گے
کھل گئے رخسار اگر یار کے   شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے
خالی نہ چھوڑیں گے ہم اپنی جگہ   گر یہی رونا ہے تو بھر جائیں گے
راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ میر
جی پہ رکھیں گے تو گزر جائیں گے

□□□

قیامت ہیں یہ چسپاں جامے والے   گلوں میں جن کی خاطر خرقے ڈالے
وہ کالا چور ہے خالِ رُخِ یار   کہ سو آنکھوں میں دل ہو تو چُرا لے
نہیں اُٹھتا دلِ محزوں کا ماتم   خدا ہی اس مصیبت سے نکالے
کہاں تک دور بیٹھے بیٹھے کہئے   کبھو تو پاس ہم کو بھی بلا لے

لا بازی نہ کر ان گیسوؤں سے   نہیں آ ساں کھلانے سانپ کالے
پش نے دل جگر کی مار ڈالا   بغل میں دشمن اپنے ہم نے پالے
نہ مہکے بوئے گل اے کاش یک چند   ابھی زخم جگر سارے ہیں آلے
کے قید قفس میں یاد گل کی   پڑے ہیں اب تو جینے ہی کے لالے
ستایا میر غم کش کو کنھوں نے
کہ پھر اب عرش تک جاتے ہیں نالے

□□□

بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے
دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے
اس منزل جہاں کے باشندے رفتنی ہیں
ہر اک کے یاں سفر کا سامان ہو رہا ہے
اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنے
آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے
گل دیکھ کر چمن میں تجھ کو کھلا ہی جا ہے
یعنی [illegible] جی سے قربان ہو رہا ہے
حالِ زبون اپنا پوشیدہ کچھ نہ تھا تو
سنتا نہ تھا کہ یہ صید بے جان ہو رہا ہے
ظالم اُدھر کی سدھ لے جوں شمع صبح گاہی
ایک آدھ دم کا عاشق مہمان ہو رہا ہے

قرباں گہ محبت وہ جا ہے جس میں ہر سو
دشوار جان دینا آسان ہو رہا ہے
ہر شب گلی میں اُس کی روتے رہے جو ہم تو
اک روز میر صاحب طوفان ہو رہا ہے

□□□

دن دوری چمن میں جو ہم شام کریں گے
تا صبح دو صد نالہ سرانجام کریں گے
ہوگا ستم و جور سے تیرے ہی کنایہ
دو شخص جہاں شکوہ ایام کریں گے
آمیزشِ بیجا ہے تجھے جن سے ہمیشہ
وے لوگ ہی آخر تجھے بدنام کریں گے
نالوں سے مرے رات کے غافل نہ رہا کر
اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے
گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میر
ہم زیرِ زمیں بھی بہت آرام کریں گے

□□□

مثنویات

جھوٹ

اے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے
اے جھوٹ تو شعار ہوا ساری خلق کا
کیا شبہ کا، کیا وزیر کا، کیا اہل دلق کا
اے جھوٹ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے
اے جھوٹ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے
اے جھوٹ، رفتہ رفتہ ترا ہو گیا رواج
تیری متاعِ باب ہے ہر چار سو میں آج
اے جھوٹ کیا کہوں کہ بلا زیرِ سر ہے تو
اے جھوٹ سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہے تو
اے جھوٹ کب سے عرصے میں تجھ سا حریف اب
تیرے ہی حکم کش ہیں وضیع و شریف اب
اے جھوٹ کب سے شہر میں ہیں تابعیں سبھی
مر جائے کیوں نہ کوئی بھی، سچ بولیں نہ کبھی
کہنے سے آج اُن کے کوئی دل نہ شاد ہو
فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو

وعدے حمزنی کے پہروں سب آزما چکے
برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے
یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا
پھر حسن ظاہری سے وہ باغ و بہار تھا
پایان کار تیرے سبب چاک پیرہن
زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن
اے جھوٹ تو تو ایک دل آویز ہے بلا
آشوب گاہ تجھ سے زمانہ سدا رہا
کس جاں کنی سے کوہ کنی کوہ کن نے کی
تصویر خود شیریں کے پیش نظر رکھی
اے جھوٹ رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں
رکھتا ہے جیسے غنچہ زباں تو تہہ زباں
نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے
اب صبح و شام غنچہء مقصود دل کھلے
دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا
دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا
اے جھوٹ تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھا کیے
ہنگامہ و فساد بھی ہر سو رہا کیے
اے جھوٹ راستی سے نہیں گفتگو کہیں
کہنے کو ہاں کہیں ہیں، حقیقت میں ہے نہیں

اے جھوٹ اس طرح میں بہت جی سے جا چکے
وعدے میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آ چکے
اے جھوٹ اس زمانے میں کیوں کر چلے معاش
ہے تنگ جھوٹ بولنے سے عرصہء تلاش
سردار جس سے سب متعلق ہے کاروبار
سچ بولنا ہے اس کے تئیں سخت ننگ و عار
پھر سب مدار کار دروغی و مفتری
صدق و صفا و راستی کے عیب سے بری
مشکل حصول کام ہے یاں حسن کلام
باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام
اے جھوٹ دل مرا بھی بہت دردناک ہے
ان کاذبوں سے صبح نمط جیب چاک ہے

گھر کا حال

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال — اس خرابے میں میں ہوا پامال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے — سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے
کوچہء موج سے ہے آنگن تنگ — کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیوارے سو جگہ سے خم — تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی — آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھمے مینھ سقف چھلنی تمام
اس چلکش کا علاج کیا کریے
جا نہیں بیٹھنے کو مینھ کے بیچ
آنکھیں بھر لا کے یہ نہیں ہیں سب
جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات
باؤ میں کانپتے ہیں جو تھر تھر
کیچ لے لے کے جوں توں چھوپا ہے
تس کو پھر پرچھتی بھی ہے ہی نہیں
ڈھانکو دیوار یا اٹھا رکھو
ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے
رکھ کے دیوار ایدھر اودھر سے
چارپائی جب اس میں بچھوائی
سام ابرص کہ ہے دوائے خراج
پیکر اپنی خدا نے رکھی ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایواں
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے
ہے چلکش سے تمام ایواں بیچ
کیوں کہ پردہ رہے گا یا رب اب
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
اُن پہ ردا رکھے کوئی کیوں کر
چھوپا کاہے کو ہے یہ تھوپا ہے
ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں
یا ہمارے لیے بچھا رکھو
سو شکستہ تر از دل عاشق
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر رہے ہے خاک
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
لا کے یا رب بناؤں کس گھر سے
پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی
ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج
ڈانس اک ایک جیسی مکھی ہے
وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں

کڑی تختے بھی دھوئیں سے سیاہ
کوئی تختہ مکاں سے ٹوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مدنظر
مٹی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم
مضطرب ہو کے جو بچھائی بہت
پتھر سے اس مٹی میں کرختی ہے
دیں ہیں ازدواڑیں پھر جو حد سے زیاد
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
جیتے ہیں جب تلک نہیں پہنچی
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال
توتا مینا تو ایک بابت ہے
کیوں کہ ساون کٹے گا اب کی بار
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ
ایک دن ایک کوا آ بیٹھا
چیل سے لوگ دوڑتے کرتے شور
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے
نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا
اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کوئی داسہ مکاں سے چھوٹا ہے
گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر
تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت
تختہ تختہ ہوئی یہ تختی ہے
چل ستوں سے مکان وے ہے پاؤ
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
ورنہ کیا بس ہے جو یہیں پہنچی
پدڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
پودنا پھدکے تو قیامت ہے
تھرتھرا دے بھنبھیری سی دیوار
شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا
اڑ بھنبھیری کہ ساون آیا اب
جان محزوں نکل ہی جاتی ہے
کہیں کھسکے تو ہے قیامت تنگ
بے گماں جیسے ہوا آ بیٹھا
کہ نہ حائط میں کچھ رہا تھا زور
دوڑے اُچھلے کہ بال بال چلے
ایک کالا پہاڑ آن گرا

مٹی اس کی کہیں کہیں بھسکی
جی ڈبا اور چھاتی بھی جھسکی

سان کر خاک لگ گئے دو چار
بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے
برسے ہے یک خرابی گھر در سے

اکھڑے پتھرے کواڑ ٹوٹی وصید
زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید

خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک
چھیڑ لیجے تو پھر نری ہے خاک

بند رکھتا ہوں در جو گھر میں رہوں
قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہ ہوں

گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور
ہے خرابی ہے شہر میں مشہور

جس سے پوچھو اسے بتا دے شتاب
ساری بستی میں ہے یہی تو خراب

ایک چھپر ہے شہر دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

بانس کی جا دیے تھے سرکنڈے
سووے مہینوں میں سب ہوئے ٹھنڈے

گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب

مینھ میں کیوں نہ بھیگے یک سر
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر

مٹی ہو کر گرا ہے سب والا
وہ رہے یاں جو ہووے ڈھب والا

واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں ٹنک بیٹھا

حال کس کو ہے اولتی کا یاد
مگری اس جھگڑے میں گئی برباد

کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لا لا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا

بس کہ بد رنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی

کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارہ
آسماں جو پھٹے تو کیا چارہ

بان جھینگر تمام چاٹ گئے
بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاں دار ہیں جو بیش و کم
تن پہ کیڑوں کا جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے پونچ سے کر زور
ایک مکڑی پہ کر رہی ہے شور

پوچھ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپر کی ایک تیسی ہے

کیا کہوں جو جفا چنش سے سہی
چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یک سو

ڈیوڑھی کی یہ خوبی در ایسا
چھپر اس چونچلے کا گھر ایسا

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے یہاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں

کیڑا اک ایک پھر ملوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے

ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھا دے انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیے پہ گہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر

سلسلایا جو پائنتی کے اور
وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور

توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
ساری کھاٹوں کی چولیں نکلیں ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
پائے پٹی لگانے کونے کو

www.pdfbooksfree.blogspot.com

جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے
سیتلا کے سے دانے مرجھائے
سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل
آنکھ منہ ناک کان میں کھٹمل
کہیں پھڑکا کہ جی سے تاب گئی
آنکھ سے تا نگاہ خواب گئی
ایک بتیلی پہ ایک گھائی میں
سینکڑوں ایک چارپائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
یہ جو بارش ہوئے تو آخرکار
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ
تھے جو ہمسائے وے ہیں ہم خانہ
ایسے ہوئے ہیں گھر میں تو بیٹھے
جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے
دو طرف سے تھا کتوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
وہ جو ایواں تھا حجرے کے آگے
اس کے اجزا بکھرنے سب لاگے
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
پانی جز جز میں اس کے پیٹھ گیا
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا
میں تو حیرانِ کار تھا اپنا
کوئی اُس دم نہ یار تھا اپنا
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یک سر
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
چرخ کی کج روی نے پیسا تھا
پر خدا مجھ سے میرا سیدھا تھا
کتنے اک لوگ اس طرف دھائے
یا ملک آسماں سے آئے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں
کام نے شکل پکڑی باتوں میں

صورت اس لڑکے کی نظر آئی
ہم جو مرتے تھے جان سی آئی
آنکھ کھولی ادھر ادھر دیکھا
اس خرابی کو بھی نظر دیکھا
قدرتِ حق دکھائی دی آ کر
یعنی نکلا درست وہ گوہر
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا
گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا
داشت کی کوٹھی دوست داروں کو
پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے
گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے
شہر میں جا بہم نہ پہنچی کہیں
چار و ناچار پھر رہا میں وہیں
اب وہی گھر ہے بے سر و سایہ
اور میں ہوں وہی فرومایہ
دن کو ہی دھوپ رات کو ہی اوس
خوابِ راحت ہے یاں سے سو سو کوس
قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں
نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

برسات کی شدت

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے
اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں
زندہ در گور ہم کئی من ہیں

ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار
واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار

بخت بد دیکھ سارے پرنالے
اس کے معمار نے ادھر ڈھالے

اب جو آیا ہے موسم برسات
دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات
صحن میں آب تیز بالا ہے
کوچہ موج ہے کہ نالا ہے
مینھ میں گھر کے پاٹ چتے چھپر
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر

پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے
سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے

دل ہے کچھ مکڑیوں کا احساں مند
کہ جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند
پھوس کچھ ہے کہیں سو آتا ہے
بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے
اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا
ہے جو بندھن سو مکڑی کا جالا
اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
باندھتا ہوں مچان رہنے کو

بند جھانکوں کو کیجئے تا کے
یاں تو یک آسمان ٹوٹا ہے
تھیکی دینے کو جا اڑے ہیں ہم
سر پہ ٹھٹھر لیے کھڑے ہیں ہم
ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے
بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے
گلے سب کھڑے ہیں پانی میں
خاک ہے ایسی زندگانی میں

اب تو اس سے بھی حال بدتر ہے
سر پہ ٹھرنا ہے تس پہ چھپر ہے
پاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار
جیسی چھد ہو عاشقوں کی فکار
متصل ٹپکے ہے نہ باراں تو
گریہء زار سوگ داراں تو
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے
چھت بھی بے اختیار روتی ہے
مینھ یکبارگی جو ٹوٹ بہے
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ بہے
بہہ گئے گولے تختے ڈوب گئے
غرض اجزائے سقف خوب گئے

موج ہستی ستون میں پیچی
جان غم ناک خوں میں پیچی

لے گیا پیچ و تاب پانی کا
کوٹھری تھی حباب پانی کا

یوں دھنسا گھر کہ بار خاطر تھا
آہ کس کا غبار خاطر تھا

اکھڑی بیٹھی سب منڈیر گری
لہری پانی کی جھاڑو دیتی پھری

ساری بنیاد پانی نے کاٹی
اینٹ سے گھر کو کر دیا ماٹی

جھک گئے سب ستون در بیٹھا
وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا

جب اجارے پہ آ کے چھت ٹھیری
ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھیری

آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں
کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں

دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب
ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب

سن کے ہر اک کے جی میں ڈر آیا
خاطروں میں یہ حرف ٹھیرایا

گٹھڑی کپڑوں کی میں اٹھائی تھی
سر پہ بھائی کے چارپائی تھی

بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا
اس کا سارا نگار کاندھا تھا

ساتھ کوئی چراغ لے نکلا
کوئی سر پر اجاغ لے نکلا

چھاج کی کر کے کوئی اوٹ چلا
مینھ کے مارے کوئی تو لوٹ چلا

منہ پہ چھلنی کو ایک نے رویا
ایک نے سرکی کا کیا گھویا

ایک نے چھینکے حال حال لیے
پائے پٹی گلے میں ڈال لیے

ایک نے بوریا لپیٹ لیا
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا

اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر
الگنی سب کے ہاتھ میں دے کر

صف کی صف نکلی اس خرابی سے
تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے

میر جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں

جن نے اُس وقت آنکھ کو کھولا
ہنس کے بے اختیار وہ بولا

سن کے اس بات کو گھر آئے ہم
بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم

تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب
نہیں ملتا ہے گھر بقدرِ حباب

جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

خواب و خیال

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے

رہیں جانِ غم ناک کو کاہشیں
گئیں دل سے نومید سو خواہشیں

زمانے نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی پراگندہ دل

گئی کب پریشانیِ روزگار
رہا میں تو ہم طالعِ زلفِ یار

وطن میں نہ اک صبح میں شام کی
نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی

اٹھاتے ہی سر یہ پڑا اتفاق
کہ دشمن ہوئے سارے اہلِ وفاق

جلاتے تھے مجھ پر جو اپنا دماغ
دکھانے لگے داغ بالائے داغ

جدائی نے آوارہ چاہا مجھے
مری بے کسی نے نباہا مجھے

رفیقوں سے دیکھی بہت کوتہی
غریبی نے اک عمر کا ہم سری

مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا
غریبانہ چندے بسر لے گیا

* * *

ہر دور کے نمائندہ شعراء کے سدا بہار مجموعہ ہائے کلام

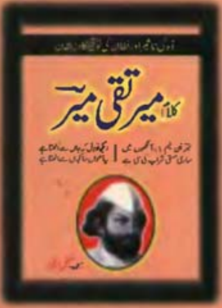
کلام میر تقی میر

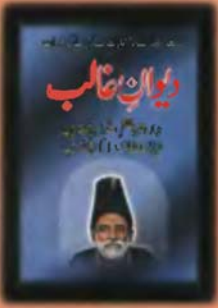

کلام ساغر صدیقی

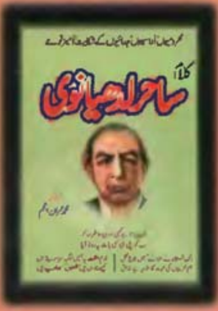
کلام ساحر لدھیانوی

قیمت فی کلام: 36-00 روپے

مکتبہ الفتوح
کمرہ نمبر 30- تیسری منزل، عزیز مارکیٹ، اردو بازار لاہور
فون: 0333-4304938